الہلال

البلاغ پریس کلکتہ

قیمت فی پرچہ پانچ آنہ

الہلال

هر جمعه کو نمبر ١١ - بالي گنج سرکلر رود - کلکته سے شایع هوتا هے۔

قیمت سالانه مع محصول	-	باره روپیه
هندرستان سے باهر کیلیے	-	سوله روپیه
قیمت شش ماهي	-	سات روپیه
قیمت فی پرچه	-	پانچ آنه

(١) تمام خط و کتابت اور ارسال زر "منیجر الهلال" کے نام سے کی جاے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے هوں انکے لفافه پر "ایڈیٹر" کا نام هونا چاهیے -

(٢) نمونه مفت ارسال نه هوگا -

(٣) براه عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پته صاف اور خوش خط لکھیے -

(٤) خط و کتابت میں نمبر خریداری لکھیے جسکی اطلاع آپکو وصول قیمت کی رسید میں دیدی گئی هے -

(٥) اگر کسي صاحب کے پاس کوئي پرچه نه پهنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک هفته کے اندر اطلاع دیں - ورنه بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانه نهیں کیا جائیگا -

(٦) اگر آپ دو تین ماه کیلئے ایک جگه سے دوسري جگه جا رهے هیں تو اپنا پته تبدیل نه کرایے - مقامي ڈاکخانه کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیاده عرصه تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجاے تو ایک هفته پیشتر اطلاع دیکر پته تبدیل کرالیں -

(٧) مني آرڈر روانه کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پته ضرور لکھدیں -

(٨) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتري فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیره) سے نهیں هے ٹکٹ ضرور بهیجیے ورنه دفتر پر غیر معمولي خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

لاتهنوا ولاتحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مؤمنين (القرآن الحكيم)

الهلال

ايک هفته وار مصور رساله

جلد ۱ — كلكته : جمعه ۲۳ ذوالحجه ۱۳۴۵ هجري — نمبر ۲

Calcutta : Friday, June 24, 1927.

فهرس

افتتاحيه	۲
ادبيات	۵
شاعر اور بلبل	
مادري محبت و شعور	
مطبوعات جديده	۷
فرانس ميں عربي فيشن	
مذاكره علميه	۸
برقي مچهلياں	
عالم شرق و اسلام	۱۰
حج سنه ۱۹۲۷	
شام كي حريت استقلال	
بصائر و حكم	۱۷
انسانيت موت كے دروازه پر	
مقالات	۱۵
اسلام اور نشنلزم	
عالم مطبوعات و صحائف	۱۹

اطلاعات ضروري

(۱) هر چيز كي ابتدا هوتي هے اور تكميل - الهلال كے يه دو نمبر نئے سلسلۂ اشاعت كي ابتدا تهي - همیں امید هے كه تيسرے نمبر سے اسكي ظاهري و معنوي تكميل شروع هو جائيگي -

(۲) ان دونوں نمبروں ميں متعدد اهم ابواب شروع نه هوسكے - اب آئنده نمبر كي ترتيب ابتدا سے ايسي اختيار كي جائيگي كه زياده سے زياده ابواب و اقسام كي گنجايش نكل آئے - خاص مضامين ميں سے ملكي و سياسي مباحث اور باب التفسير كے مختلف عنوان' اور عام قسم كے مضامين ميں سے افسانۂ و تاريخ كا حصه اهم هے - اميد هے كه آئنده نمبر سے شروع هو جايگا -

(۳) تصاوير كا بهي مطلوبۂ ذخيره طيار هوگيا هے - ٹائپ كے حصه كے تمام مضامين تقريباً مصور هونگے - ايک خاص صفحه صرف تصاوير كا بهي بڑها ديا جايگا - بعض مضامين كيلئے متعدد رنگون ميں چهپي هوي تصاوير ضروري تهيں - انكي لوحيں بهي بنكر طيار هوگئي هيں -

(۴) مصر اور جرمني كا ٹائپ بهي آگيا هے - اميد هے كه مزيد حسن و زيبائش كا باعث هوگا -

(۵) عالم شرق و اسلام كے مشاهير اهل قلم كے متعدد اهم مقالات (علاوه هفته وار چٹهيوں كے) پچهلي ڈاک ميں آگئے هيں - اور آئنده درج هونگے

(۶) شائقين الهلال سے اميد هے كه توسيع اشاعت كيلئے پوري كوشش كرينگے' كيونكه الهلال كے گرانقدر مصارف صرف اسكي غير معمولي اشاعت هي سے پورے كيے جاسكتے هيں -

(۷) رساله كي خريداري وغيره امور كے متعلق جو خطوط هوں' براه عنايت انهيں مولانا ابوالكلام كے نام نه بهيجئے تو اسكي وجه سے تعميل ميں تاخير هو جاتي هے - براه راست " منيجر " كے نام آنا چاهئيں -

منيجر

الہلال کا تیسرا دور

باز نوائے بابِ ـــال عشق تو یاد می دھد !
ہر کہ بعشق نیست خوش عمر بہ باد می دھد !

(مقاصد و مطالب)

جب کسی چیز کے اوصاف اُسکی خصوصیات کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں تو پھر ذات اور صفات کی تفریق اُٹھ جاتی ہے - ذات کا تصور ہی اوصاف کے تصور کیلئے کافی ہوتا ہے - الہلال کے ظاہری و باطنی اوصاف جتنے بھی تھے اور جیسے کچھ بھی تھے، خصوصیات کا درجہ رکھتے تھے، اور اب بھی کہ گیارہ برس کی کافی مدت گزر چکی ہے، بدستور خصوصیات ہیں - پس جہانتک مقاصد و مطالب کا تعلق ہے، کسی تشریح و تفصیل کی ضرورت نہیں - صرف اسقدر کہدینا کافی ہے کہ الہلال تیسری مرتبہ اسلئے نکل رہا ہے تاکہ تیسری مرتبہ الہلال نکلے - الہلال کے مقاصد و مطالب کی تشریح میں اگر صفحے کے صفحے لکھڈالے جائیں، جب بھی اتنی وضاحت نہ ہوسکے گی، جتنی اس ایک جملہ میں موجود ہے :

تو خود حدیث مفصل بخوان ازین مجمل

لیکن ممکن ہے بعض طبیعتوں کیلئے کہ معانی و حقیقت سے کہیں زیادہ صورت و لفظ سے آشنائی رکھتے ہیں، یہ کافی نہو اور اُنکا انتظار باقی رہے، اسلئے بہتر ہوگا کہ چند الفاظ اس بارے میں بھی حوالۂ قلم کردیے جائیں -

(مقاصد خاص و مقاصد عام)

الہلال جب سنہ ۱۹۱۲ - میں نکلا تھا تو اُس کے پیش نظر کچھہ مقاصد تو خاص قسم کے تھے اور کچھہ عام قسم کے

عام مقاصد کا تعلق عام طور پر ادب اور سیاست و صحافت کے عام مباحث سے تھا، اور مقصود یہ تھا کہ اردو زبان میں ہر اعتبار سے ایک ایسا بلند پایہ رسالہ وجود میں آجائے جو زمانہ کی رفتار ترقی کا ساتھہ دے سکے، اور فکر و نگارش کے ہر میدان میں ایک نئی قسم کی بلندی پیدا کردیے -

خاص مقاصد کا تعلق اُس کی "دعوت" سے تھا - وہ دعوت جو مذہب میں مجتہدانہ نظر و فکر کا ایک نیا دروازہ کھولتی تھی، اور سیاست میں آزادی فکر و عمل اور علوئے نظر و رائے کی طرف مسلمانوں کو لیجانا چاہتی تھی - اُس کی دعوت کا معاملہ اس درجہ وسیع اور گہرا ہے کہ یا تو صرف مجمل اشارہ کیا جا سکتا ہے، یا پوری تفصیل کی جاسکتی ہے - ادھوری تفصیل یا تفصیل نما اجمال سود مند نہوگا - اس لئے صرف اشارہ پر اکتفا کرتا ہوں -

بہر حال اس کے مقاصد کا ایک حصہ "دعوت" تھا اور یہ خاص تھا - ایک حصہ علم و ادب اور صحافت و کتابت کے اعلی نمونوں پر مشتمل تھا اور یہ عام تھا - اس کی "دعوت" نے اگر قوم کی سیاسی و دینی ذہنیت (منٹیلٹی) میں انقلاب پیدا کرنا چاہا تھا، تو تحریر و کتابت نے اردو ادبیات کی رفتار بدل دینی چاہی تھی - ان دونوں قسموں کے مقاصد میں اُسے کہاں تک کامیابی حاصل ہوئی ؟ اس کے جواب کا معاملہ اب تاریخ کے سپرد ہوچکا ہے - بہتر ہے کہ اس میں مداخلت نہ کی جائے -

دنیا اور دنیا کے ساتھہ ہندوستان گیارہ بارہ برس آگے بڑھچکا ہے سنہ ۱۲ اور ۲۷ کے درمیان تغیر و ترقی کی ایک بڑی مسافت حائل ہے - تاہم جہانتک الہلال کے عام و خاص مقاصد کا تعلق ہے، صورت حال میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی - اسکے لئے اب بھی دونوں میدان عمل ویسے ہی منتظر و باز ہیں، جیسے سنہ ۱۲ اور ۱۶ میں تھے - اب بھی اسکی "دعوت" کیلئے وقت کی احتیاج راہ تک رہی ہے - اور اسکی تحریر و کتابة اور آرایش اوراق و صحائف کی جگہ بزم سخن میں خالی ہے - البتہ حالات کی تبدیلی نے سفر میں نہیں لیکن منزل کے محل میں ضرور تبدیلی کردی ہے - پہلے اگر اسکا سفر ابتدا کے نقطہ سے شروع ہوا تھا تو آپ بعد کی منزلوں سے شروع ہونا چاہیے پہلے دعوت کی ضرورت اسلئے تھی کہ راہ کھلے اور سفر شروع ہو، اب کہ دروازہ کھل چکا ہے اور قدم بھی رسم و راہ سفر سے نا آشنا نہ رہے، اسکی صدائیں اسلئے مطلوب ہیں کہ راہ کی مشکلیں حل کی جائیں، اور سعی و طلب کے جو قدم اٹھہ چکے ہیں وہ بے راہ روی سے محفوظ رہیں :

مرا بو خضر عنان گیر بایہ از چپ و راست
نہ نم رہی نہ کنم ور نہ عزم راہ خطاست !

اِس سلسلہ میں اگرچہ بہت سی چیزیں اہم ہیں اور انہیں جلد از جلد بیان میں آنا چاہئے، لیکن خصوصیت کے ساتھہ تین موضوع وقت کی ضروریات کے اصلی موضوع ہیں، اور اسلیے الہلال کے صفحات پر اُنکا خصوصیت کے ساتھہ انتظار کرنا چاہئے :

(۱) ملک کی موجودہ سیاسی زندگی کے عملی مسائل .

(۲) مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کا موجودہ ذہنی اور عملی انتشار جو پچھلی حرکت کے رد فعل (ری ایکشن) کی صورت میں نمایاں ہوا، اور اسکے عملی مسائل و مباحث .

(۳) مسلمانان ہند کی قومی و اجتماعی ذہنیت کی تشکیل اور اسکے اہم مباحث .

(الہلال کے دینی اور علمی مباحث)

اِنکے علاوہ ایک اور قسم بھی اہم ہے - الہلال نے اپنے دینی و علمی مباحث میں نظر و تحقیق کا ایک خاص دروازہ کھولا تھا، لیکن وہ محض ابتدا تھی - ضرورت تھی کہ ان بنیادوں پر عمارتیں اٹھائی جاتیں - بارہ سال گزر گئے - لوگ انتظار کرتے کرتے تھک گئے انتظار و طلب نے مایوسی کی شکل اختیار کرلی - لیکن مجھے مہلت نہ ملی کہ اس کام کی تکمیل و اشاعت کی طرف متوجہ ہوتا - جو اصحاب علم و ذوق اُن چیزوں کے طالب گار تھے، اُن پر میری ملکی مشغولیتیں شاق گزرتی تھیں - وہ چاہتے تھے، ہمہ تن انہی کاموں کیلئے وقف ہو جاؤں - میں اپنی سیاسی مشغولیت ترک کر دینے پر قادر نہ تھا - اب بھی قادر نہیں ہوں - لیکن ساتھہ ہی یقین رکھتا ہوں کہ نہ صرف علمی و دینی تحقیقات کے لحاظ سے بلکہ خود قوم کی عملی زندگی کی صحیح نشوونما کیلئے اُن کاموں کی تکمیل سب سے زیادہ ضروری ہے -

(حکایت برق و خرمن)

اِس بارے میں میرے اجزاء فکر اور اوراق نظر کی پریشانی کا بھی کچھ عجیب حال ہے - علم کی زندگی سیاست کی زندگی سے کچھ اس طرح مختلف واقع ہوئی ہے کہ دونوں کا ایک وقت اور ایک محل میں جمع ہونا بہت مشکل ہے - میری زندگی کی مشکلات میں پہلی مشکل یہ واقع ہوئی کہ میں نے چاہا دونوں کو بہ یک وقت اور بہ یک محل جمع کردوں :

پنبہ را آشتی ایں جا بہ شرار افتادست !

دراصل ذوق کی وسعت، طلب کی عدم قناعت، نظر کی بلند پیمائیاں، اور فکر کی مشکل پسندیاں نہ تو ایک راہ پر صبر کرسکتی ہیں، نہ سہل و آسان روشیں اختیار کرسکتی ہیں - دنیا نے فکر و عمل کے الگ الگ گوشے بنائے ہیں، اور استعداد و صلاحیت کے دائرے بناکر اُن میں لکیریں کھینچ دی ہیں، تاکہ تقسیم عمل کے حدود قائم ہو جائیں - لیکن یہ تقسیمیں اور حد بندیاں ہمیشہ نہیں چل سکتیں - کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ طبیعت کا جوش اور فکر کی وسعت ان چھوٹے چھوٹے خانوں کی تنگ نائیوں میں قانع نہیں رہسکتی، اور حد بندیاں توڑ کر باہر نکل جاتی ہے - میں فکر کی یکسوئی اور ایک ہی راہ پر پڑ جانے کی آسانیوں سے بے خبر نہیں ہوں - لیکن کیا کروں ؟ مبدءِ ازل نے طبیعتیں تقسیم کرتے ہوئے مجھ نا مراد کیلیے یہی پسند کیا کہ ہر راہ کی پیمائش اور ہر کوچے کی گردش کا اضطراب اسمیں ودیعت کردیا جائے - علم کا استغراق اور سیاست کی خود فروشیاں دنیا کیلیے متضاد ہوں تو ہوں، لیکن میرے لیے تو ایک ہی دماغ کا سودا اور ایک ہی دل کی تپش تھی :

روے دریا سلسبیل و قعر دریا آتش ست !

جہاں تک بن پڑا، آب و آتش کی اس یک جائی اور برق و خرمن کی اس ہم آمیزی میں کوتاہی بھی نہ ہوئی - سیاسی زندگی کی سرگردانیاں کیسی ہی سخت کیوں نہ رہی ہوں، لیکن ذہن و فکر کی مشغولیتوں میں کبھی خلل نہ ڈال سکیں - لوگوں نے گوشہ ہائے چمن کے سکون اور مکتب خانوں کے بے خلل استغراق میں علم و نظر کے مرحلے طے کیے ہیں، لیکن یہاں جو کچھ پیش آیا یہ تھا کہ سیاسی و ملکی صف آرائیوں کے ہنگامے تھے، یا نظر بندی کی سختیاں اور قید خانے کی کوٹھریاں تھیں - تاہم دماغ اپنے کاموں میں مشغول اور فکر اپنی کاوشوں میں سرگرم تھا :

تا دست رسم بود زدم چاک گریباں
شرمندگی از خرقۂ پشمینہ نہ دارم

لیکن اس فرخندہ طبیعت میں کوئی چیز بھی اپنے قدرتی خواص معطل نہیں کردے سکتی - برق کے لیے کوندنا اور خرمن کے لئے جلنا ناگزیر ہے - نتیجہ یہ نکلا کہ اگر ایک طرف ذوق علم کاغذ و قلم کے انبار لگا رہا تھا، تو دوسری طرف سیاسی مشغولیت کی آتش افروزیاں بھی اپنے کام میں سرگرم تھیں :

متاعی جمع کن شاید کہ غارتگر شود پیدا !

سنہ ۱۶ - سے لیکر سنہ ۲۱ - تک یکے بعد دیگرے اس طرح کے حالات پیش آتے رہے کہ ایک طرف میں اپنا سرمایۂ فکر جمع کرتا جاتا تھا - دوسری طرف دست برد زمانہ اُنھیں پوری بے دردی کے ساتھ منتشر کرتا جاتا تھا - اور چونکہ یہ خود اپنی اختیار کردہ زندگی کا لازمی نتیجہ تھا، اس لیے صبر کے سوا چارۂ کار بھی نہ تھا :

ایں کار چو خود کردم، با خرد چہ توانم کرد ؟

(سنہ ۱۶ - سے - ۲۱ - تک)

سنہ ۱۶ - میں جب بنگال سے مجھے خارج کیا گیا اور رانچی گیا، تو یہ وہ وقت تھا کہ البلاغ اور دارالارشاد کی مشغولیت کے ساتھ میں نے اپنے افکار و تحقیقات کی تحریر و ترتیب بھی شروع کردی تھی - جن امور کی تکمیل و ترتیب پیش نظر تھی، وہ کسی ایک ہی موضوع سے تعلق نہیں رکھتے تھے - بے شمار گوشے سامنے آتے تھے، اور ہر گوشۂ نظر میں اس کثرت سے متفرق اور منتشر حقیقتیں نمایاں ہوتی تھیں کہ ان سب کا جمع کرنا، اور اصول و کلیات کے ماتحت لانا آسان نہ تھا - ضرورت تھی کہ عرصہ تک فکر و کاوش کا معاملہ جاری رہے - بہت سی چیزیں ابتدائی شکل میں مرتب ہوئی تھیں - بہت سی نا تمام تھیں - برسوں سے دماغ اس کا عادی ہوگیا ہے کہ ہمیشہ کسی نہ کسی گوشۂ تحقیق کی فکر اور کسی نہ کسی عقدۂ کار کے حل میں مشغول رہتا ہے، اور ایسے بے شمار یاد داشتیں جو فی الحقیقت کسی نہ کسی معاملۂ علم و تحقیق کی اصولی بنیادیں ہوتی ہیں، قلم سے نکلتی رہتی ہیں - اُسوقت تک کم از کم ایک ہزار چھوٹے بڑے پرچے تو صرف یاد داشتوں ہی کے سیاہ ہوچکے ہونگے !

تالیف نسخہ ہائے وفا کر رہا تھا میں
مجموعۂ خیال ابھی فرد فرد تھا !

یہ تمام ذخیرہ، دماغ کا حاصل اور زندگی کا سرمایہ تھا - اسمیں سے کچھ حصہ تو اپنے ساتھ رانچی لے گیا تھا - باقی حصہ کلکتہ کے سکونتی مکان میں چھوڑ دیا تھا - کیونکہ اُسوقت حالات کی رفتار کچھ عجیب طرح کی تھی - نہیں کہا جاسکتا تھا کہ مستقبل میں کیا پیش آئگا - لیکن جب پانچ ماہ کے بعد حکومت ہند نے میری نظر بندی کے احکام جاری کیے، تو ایک ہی وقت میں رانچی اور کلکتہ، دونوں جگہ خانہ تلاشی کی گئی - اور پھر اُس وقت سے لگاتار سلسلہ اس کا جاری ہوگیا - رانچی میں دو مرتبہ اور کلکتہ میں تین مرتبہ یہ معاملہ پیش آیا - کلکتہ میں نہ صرف میرے سکونتی مکان اور مطبع ہی کی تلاشی لی گئی بلکہ اُن تمام مکانات کی بھی لی گئی جہاں کوئی ادنی سا شبہ بھی میرے کاغذات کی موجودگی کا ہوسکتا تھا - کاغذات زیادہ تر متفرق مسودات تھے - یاد داشتیں تھیں - مجمل اشارات تھے - میں عموماً یاد داشت فارسی میں یا عربی میں لکھا کرتا ہوں کیونکہ اردو میں اختصار ممکن نہیں - تلاشی کا کام زیادہ تر انگریز حکام یا بنگالی ماتحتوں کے ذمہ تھا - اور ان میں کوئی مسلمان تھا بھی تو ٹوٹی پھوٹی اردو کے سوا کچھ نہیں جانتا تھا - نتیجہ یہ نکلا کہ ہر کاغذ ایک اسرار اور ہر سطر سیاسی راز بنگئی، اور سب کو ایک ڈھیر کی شکل میں جمع کرکے قبضہ میں لے لیا گیا - کاش احتیاط کے ساتھ جمع کرتے اور احتیاط کے ساتھ رکھتے - لیکن ان میں کون تھا جسے ان چیزوں کا درد ہوتا ؟ نتیجہ یہ نکلا کہ نصف سے زیادہ اوراق تو تلاشی کے وقت کی بے احتیاطیوں میں ضائع ہوگئے، اور نصف جو باقی رہے، انھیں بھی اس بے احتیاطی کے ساتھ اِدھر اُدھر جوڑ دیا گیا کہ کوئی ایک چیز بھی اپنی اصلی شکل میں باقی نہ رہی - پھر اس پر طرہ یہ کہ یہ برباد شدہ ذخیرہ بھی پورا واپس نہیں ملا - جو کاغذات کلکتہ سے لیے گئے تھے، بیان کیا جاتا ہے کہ کچھ دنوں تک پولیس کمشنر کے دفتر میں رہے تھے - اتفاقاً وہاں کے ایک گوشہ میں آگ لگ گئی - اور دفتر کے سامان کے ساتھ بعض اوراق بھی جل گئے - پولیس کے دفتر میں آگ بھی لگنی تھی تو اُسی وقت، جب یہ دفتر پریشان وہاں جمع تھا !

گرنی تھی جسپہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو ؟

ان مسودات میں حسب ذیل کتابیں ایک حد تک مرتب تھیں :

تاریخ معتزلہ - سیرۃ شاہ ولی اللہ - دیوان غالب اردو پر تبصرہ - خصائص اسلام - امثال القران - شرف جہاں قزوینی پر تبصرہ - مقدمہ تفسیر کے تمام اجزاء - ترجمان القران کا مسودہ سورۂ ھود تک - تفسیر البیان سورۂ نساء کے ابتدائی حصہ تک - مضامین اور یاد داشتوں کا ذخیرہ انکے علاوہ ہے - قیام رانچی کے ابتدائی زمانے میں دو رسالے لکھنا شروع کیے تھے - ایک وحدۃ قوانین کائنات پر - دوسرا قانون انتخاب طبیعی اور معنویۃ کائنات پر - انکے اوراق بھی اسی ذخیرہ میں شامل ہوگئے -

اسکے بعد رانچی کی زندگی میں وہاں کی مقامی خدمات سے جسقدر وقت بچا، تصنیف و تالیف میں صرف ہوا - مقدمہ، ترجمہ اور تفسیر کے بارے میں بہت سی تبدیلیاں فکر و خیال میں ہوگئی تھیں - تقریباً از سر نو کام شروع ہوا تھا - جنوری سنہ ۲۰ - میں اپنا تمام نیا ذخیرہ لیکر رانچی سے نکلا - اس مرتبہ ارادہ کرلیا تھا کہ کم از کم ترجمان القران کسی نہ کسی طرح شائع کر دینا چاہئے - اسی خیال سے متن قران کی کاپیاں ایک دوست عزیز کے اپنے اہتمام و صرف سے لاھور میں لکھوالیں، اور ترجمہ کی کتابت کا کام بھی ستمبر ۱۹۲۱ - میں شروع ہوگیا -

اگر پانچ چھہ ماہ تک بھی یہ حالت باقی رہتی، تو باوجود ہر طرح کی سیاسی مشغولیتوں کی سرگرانیوں کے، عجب نہیں کہ کسی نہ کسی طرح یہ ایک چیز مکمل ہوجاتی - لیکن اسے کیا کیجیے کہ اگر ایک طرف ان خرمن سازوں اور سرمایہ اندوزوں کی کوششیں جاری تھیں - تو دوسری طرف نگاہ برق کی دعوت میں بھی کوتاہی نہیں ہوتی تھی - ۱۰ - دسمبر سنہ ۱۹۲۱ - کو میں گرفتار ہوا، اور پھر خانہ تلاشیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا - مختلف اغراض سے (جنکی تشریح کا یہ موقعہ نہیں) پے در پے تلاشیاں کی گئیں -

نتیجہ یہ نکلا کہ نہ صرف بے شمار مسودات و اوراق، بلکہ کتابت کی ہوئی کاپیوں کا بھی تمام ذخیرہ پریشان و منتشر ہوکر پولیس کے قبضہ میں چلا گیا - ۲ - جنوری سنہ ۲۳ - کو جب رہا ہوکر واپس آیا، تو سنہ ۱۹۱۶ - سے لیکر سنہ ۲۰ - تک کی تمام محنت تقریباً رائگاں ہوچکی تھی!

و متی یساعدنا الوصال و دھرنا * یومان، یوم نوی، و یوم صدود

عرصہ کی رد و کد کے بعد اوراق واپس ملے، لیکن تمام تر ناقص، منتشر، اور برباد شدہ تھے - اب بغیر نئی محنت کے ان کا کوئی حصہ بھی کام نہیں دے سکتا تھا - یہ بربادی پہلی بربادی سے بھی زیادہ ہمت شکن تھی، لیکن چونکہ خود اختیاری حالات کا نتیجہ تھی اس لئے جس طرح پہلی مرتبہ صبر و خاموشی کے ساتھ برداشت کرلی گئی تھی، اس مرتبہ بھی برداشت کرلینی پڑی - حتی کہ آج سے پہلے شاید اسکا تذکرہ بھی قلم و زبان سے آشنا نہیں ہوا -

جن لوگوں کو تصنیف و تالیف کے معاملات کی خبر ہے، وہ جانتے ہیں کہ ایک مفکر اور اہل قلم کے لئے یہ بات کتنی مشکل اور اذیت دہ ہوتی ہے کہ اپنی لکھی ہوئی چیز برباد دیکھے اور دوبارہ قلم اٹھانے پر مجبور ہو - مشہور ہے کہ جب کارلائل کی تاریخ انقلاب فرانس کا مسودہ جل گیا، تو عرصہ تک اس کا یہ حال تھا کہ قلم پکڑتا اور بغیر ایک حرف لکھے چھوڑ دیتا - کارلائل کا حادثہ اتفاقی تھا - اس لیے اسے شکایت زیب دیتی تھی اور اس کی بے شدیدی بھی قابل ملامت نہیں - لیکن میرے ... پیش آئے، اتفاقی نہ تھے - اختیاری تھے - اس لیے دل کے لیے کتنے ہی درد انگیز اور ہمت شکن ہوں، لیکن دماغ کے لیے ان میں کوئی وجہ شکایت نہیں ہوسکتی تھی - مجھے دونوں مرتبہ تسلیم کرلینا پڑا کہ یا تو اس طرح کی زندگی اختیار نہیں کرنی تھی یا کی ہے تو پھر اس کے تمام لازمی نتائج گوارا کرلینے - سرمد کا فیصلہ صرف ایک گوشۂ عشق ہی کا نہیں بلکہ انسان کی تمام سعیوں کیلئے عام و ابدی فیصلہ ہے :

یا تن بہ رضاء دوست می باید داد * یا قطع نظر ز یار می باید کرد

قصد کے خلاف اس حصۂ بیان میں بہت طول ہوگیا -

یہ ہے کہ جہانتک میری مذہبی اور علمی تدوینات کا تعلق ہے حالات کی رفتار کچھہ عجیب طرح کی رہی ہے عرصہ کے انتظار التواء اور بار بار کی تعمیر و تخریب سے طبیعت کچھہ اس طرح آ گئی ہے کہ اب نہ تو ترتیب و ضبط کی طرف مائل ہے، نہ آرائش گفتار اور زینت بیان کا شوق ہے - صرف یہ چاہتا ہوں کہ جس طرح بھی بنے، اور جس شکل و حالت میں بھی ممکن ہو، وہ تمام مطالب و تحقیقات ایک مرتبہ شائع ہو جائیں، جو اس تمام مدت کی دماغی گردش و جستجو کا نتیجہ ہیں -

چنانچہ اب کہ الہلال دوسری مرتبہ شائع کرنا پڑا ہے، اسکے صفحات کا ایک خاص حصہ اس مقصد کیلئے بھی وقف رہیگا -

البتہ یہ یاد رہے کہ نہ تو ہر طبیعت ان مباحث کی شائق ہے اور نہ ہر مخاطب انکے بار فہم کا متحمل :

بزم میں اہل سخن بھی ہیں تماشائی بھی !

رسالہ کی حسن ترتیب بھی اسکی متحمل نہیں کہ کوئی ایک ہی قسم کی چیز زیادہ جگہ روک لے - اسلئے ناگزیر ہے کہ حسب گنجائش جستہ جستہ جگہ نکالی جائے، اور ترتیب اشاعت ایسی اختیار کی جائے کہ صحبت کا ذائقہ بدلتا رہے - ایک ہی سلسلۂ بیان سے طبیعتیں اکتا نہ جائیں -

(عام مقاصد)

لیکن اگر ان خاص مقاصد سے قطع نظر کر لی جائے، جب بھی عام مقاصد کی ضرورت و اہمیت کا یہ حال ہے کہ اگر الہلال کے درجہ کے دس رسالے بھی ملک میں شائع ہوں جب بھی ضرورت پوری نہوگی -

چند حقیقتیں صاف اور تسلیم شدہ ہیں - یقیناً ان میں دو رایوں کی گنجایش نہیں : موجودہ زمانہ " پریس " اور مطبوعات کا زمانہ ہے - نہ صرف علم و ادب کی ترقی کیلئے بلکہ قومی و اجتماعی زندگی کی نشو و نما کیلئے بھی انکا وجود ناگزیر ہے - علم و ادب کی صحیح ترقی بجائے خود قوم کے اجتماعی ذہن و فکر کی ترقی ہے - جیسی جیسی اسکی سطح بلند ہوگی، اتنی ہی قومی زندگی کی سطح بھی بلند ہوتی جائیگی - جہانتک " پریس " اور صحافۃ (جرنلزم) کا تعلق ہے، دنیا اسقدر آگے نکل چکی ہے کہ اب دس برس پیشتر کی صحافۃ صدیوں کی پرانی چیز معلوم ہوتی ہے - قومی زندگی کی تعمیر کیلئے ایک بنیاد کی اینٹ زبان ہے - زبان کی ترقی کے لئے پہلی چیز اسکی ادبیات (لٹریچر) ہیں - ادبیات کی نشو و نما بغیر اعلی درجہ کے رسائل و مطبوعات کے ممکن نہیں -

یہ، اور اس طرح کی وہ تمام باتیں جو معروف و معلوم ہیں، اگر صحیح ہیں، تو کیا اسکی ضرورت لوگ محسوس نہیں کرتے کہ تمام بر اعظم ہند میں کم از کم ایک رسالہ اردو کا ایسا موجود ہو جو اپنی ظاہری اور باطنی خصوصیات میں دنیا کی ترقی یافتہ صحافۃ کا نمونہ پیش کرسکے ؟

دنیا نے انیسویں صدی کے اوائل میں طباعت و صحافۃ کا کام جس نقطہ پر چھوڑا تھا، اردو زبان کی صحافۃ سنہ ۱۹۲۷ - میں اس پر قناعت کیے ہوئے ہے - آخر یہ حالت کب تک باقی رہیگی ؟

ادب

موجودہ ترکي شاعري کا ایک نمونہ

شاعــر اور بلبل

موجودہ عہد کے ترک اهل قلم نے جدید ترکي علم ادب کو دو قسموں میں منقسم کر دیا ھے- پہلي قسم "قبل از دستور" کي ھے- دوسري "بعد از دستور" کي - "دستور" سے مقصود سنہ ۱۹۰۸ کا انقلاب ھے جب عثماني پارلیمنٹ قائم هوئي تهي -

عہد "بعد از دستور" کے شعرا میں ضیاء الدین خسرو زادہ خصوصیت کے ساتهہ قابل ذکر هیں- عالمگیر جنگ سے پہلے انکے کلام کا ایک مجموعہ "نغمۂ فلک" کے نام سے شائع هوا تها اور اس درجہ مقبول هوا تها کہ فرانسیسي اور طلیاني زبانوں میں بهي اسکا ترجمہ هوگیا - اب اُنکے کلام کا ایک نیا مجموعہ "نغمۂ ارض" شائع هوا ھے - "نغمۂ فلک" میں اجرام سماوي کي بزم طرب آراستہ کي گئي تهي - لیکن نغمۂ ارض زمین کے مناظر حسن اور سامان جمال کي طرف دعوت نظر اور صلاے ذوق ھے !

اِس مجموعہ میں پہلي نظم "شاعر اور بلبل" کے عنوان سے ھے اور چار حصوں میں ختم هوئي ھے - هم اُسکے ایک حصہ کا ترجمہ آج شائع کرتے هیں- اُردو کے شائقین ادب اِس سے اندازہ کرسکینگے کہ موجودہ ترکي شاعري کے ذوق و تخیل کا کیا حال ھے ؟

***

"شاعــر اور بلبل"

شعراء نے بلبل دیکهي اور اُس سے سوال کیا :

"گانا ختم کرنے کے بعد تیري جگهہ کہاں هوئي ؟"

بلبل نے جواب میں اپنے شیریں راگ شروع کردیے - سب کے دل گرما گیے - سب کے سر جهک گئے - ایک لمحہ کامل خاموشي میں گزر گیا !

آخر ایک شاعر نے سر اُٹهایا :

"کیسي عجیب چڑیا ھے ! دنیا کي تمام زبانیں سمجهتي ھے - اسي لیے روئے زمین کے سب ملکوں کي سیاحت کرچکي ھے !"

دوسرے نے کہا :

"بے شک یہ تمام زبانیں سمجهتي ھے - لیکن خود ایک ایسي زبان بولتي ھے جسے گو سمجهتے سب هیں مگر بول کوئي نہیں سکتا —"

سب گردنیں جهکاکر بحر خیال میں ڈوب گئے - پهر کسي نے ایک لفظ بهي نہ کہا !

***

شاعر جمع تهے - رات کا وقت تها - تاریکي پهیلي هوئي تهي - چمن زار سے بلبل نکلي - قریب کے درخت پر آ بیٹهي دلکش نغمے بلند هوگئے - هر شاعر کا سر بے اختیار اُٹهہ گیا -

مجمع پر کامل خاموشي چهائي تهي !

راگ دلفریب اور فضا غمناک تهي !

ایک شاعر کي آنکهیں اشکبار هوگئیں :

"جا ' جا ' — اے خوش گلو گویے جا — دوست عزیز — آہ تو نے میرے وطن [illegible] شفاف آسمان کے نیچے پرورش پائي ھے — میرے دل کے دروازے [illegible] تیرے لئے کهل گئے — میں تجهہ سے محبت کرتا هوں — وطن عزیز اور میرے دوستوں کا حال سنا — مجهے وہ دل کشا باغ و چمن یاد هیں — وہ بلوریں نہر — وہ چهوٹي سي پہاڑ کي چوٹي — زرافشاں کرنوں میں چمکتي هوئي — وہ آباد شہر مجهے سب کچهہ ابتک یاد ھے — تیري شیریں آواز نے فراموشي کے بادل میرے دماغ سے ھٹا دیے — یاد داشت رفتہ واپس آگئي — تذکار محزون نے پهر زخم دل بنکر نشتر چبهو دیا - آہ ! مجهے ایسا محسوس هوتا ھے کہ میرے کان پاني بہنے کا شور سن رھے هیں — پہاڑوں اور جنگلوں سے پاني لہراتا هوا باغوں میں چلا آ رھا ھے - هرے بهرے باغ — سرد و شیریں پاني — افسوس ! میں پردیس کي مصیبتیں کیوں جهیل رھا هوں ؟ رنج و کلفت میں کیوں اسیر هوں — ؟"

بلبل نے راگ میں جواب دیا :

"آسمان پر سورج چاند کي جوڑي همیشہ بني رھے ! ستاروں کي بزم عشرت کبهي برهم نہ هو ! هم هر وقت اُنسے لطف اُٹهاتے هیں — چشموں کے منہ هر انسان کیلئے کهلے هیں — امیدوں کا طائر میموں هر دل پر بازو کهولے اُڑ رھا ھے — محبت کي دیوي سب سے هم آغوش هونے کو تیار ھے — مسرت کي مقدار لا متناهي ھے — عیش حیات کي صراحي کبهي خالي نہیں هوئي — کامراني کا جام همیشہ سے گردش میں ھے — جتنا جي چاھے پي لو — آخر کار هم ایک هي مکان کے صحن میں جمع هونگے — وهاں ' اُس آخري وطن میں ' اپنے محبوب عزیز کو گلے لگائینگے —"

روتے هوئے شاعر نے ٹهنڈي سانس بهري اور چپ هوگیا -

***

دوسرے شاعر کي اکهڑي آواز بلند هوئي :

"میرے وطن کي سرحدیں کس طرح طے کیں ؟ — خوبصورت چڑیا ! هم وطنوں نے تجهے کیوں جانے دیا ؟ — کسي نے بهي تجهے نہیں روکا ؟ — کیا تو پهر وهاں جائیگي ؟ — اگر جائیو تو مجهے بهي ساتهہ لیتي جائیو — پهولوں سے لدے پهندے باغ اپنے ساتهہ لے چل ! آہ وہ باغ جنکي مخملي زمین پر میري مسین بهیگي تهیں — میں یہاں غمزدہ هوں — زندگي اور کامراني کا بوسہ حاصل کرنے سے پہلے هي قبر کي آغوش میں چلا جاونگا - آہ ' زندگي اور کامراني کا بوسہ — نئے چمکتے هوے آفتاب کا بوسہ — ماہ دو هفتہ کي سرد اور پر عیش کرنوں سے هم آغوشي — لیکن میري قبر پر ایک ناتمام آنسو بهي نہیں بہایا جائیگا —"

بلبل نے جواب دیا :

"آفتاب و ماهتاب کي جوڑي سلامت رھے — زندگي میں سب اُنسے مسرت لوٹتے هیں — هم سب کے سروں پر آسمان کي نیلي شبنمي تني ھے — هر دل میں آرزوئیں هیں - روح

میں امیدوں کا بسیرا ہے — سب کا مسرت میں حصہ ہے — نہ تو سورج کی کرنوں نے کبھی بخل کیا - نہ چاند کی بخشش جمال میں کبھی کوتاہی ہوئی — آخر کار ہم سب ایک ہی چار دیواری میں جمع ہونگے — جہاں اپنے محبوب عزیز کے بوسہ ہائے عشق سے لذت دوام حاصل کرینگے ! "

***

عین اُس وقت کالی گھٹائیں ہٹ گئیں - ستاروں کے جھرمٹ میں بدر منیر جھومتا ہوا بر آمد ہوا -

تمام تاریکیاں معدوم ہوگئی تھیں - آسمان کی مجلس شب افروز آراستہ تھی - نور کے فرشتے صف بستہ کھڑے تھے !

ایک شاعر نے دبی زبان سے کہا :

" بلبل اپنی نغمہ سرائی میں صادق اور اپنے زیر و بم میں معصوم ہے — یہ دیکھو ماہتاب سامنے ہے — اُسکی روپہلی چاندنی ہمیں دعوت نشاط دے رہی ہے ! آخر کار دوستوں سے ملاقات یقینی ہے ! — پھر ہم کیوں رنج کریں ؟ کیا سورج کی چمک ' چاند کی مسکراہٹ ' ستاروں کی شب افروزی ' پھولوں کا قہقہہ ' شاخوں کا رقص ' باد صبا کی اٹکھیلیاں ' دریاؤں کی خوش خرامی ' اور پھر فطرة کے اس تمام جلوہ زار عیش و جمال کے سامنے اس مطرب کائنات کی نغمہ سنجی ' ہمارے سرور روح کیلیے کافی نہیں ؟ "

سب کے چہروں پر اطمینان کا سکون پھیل گیا - لبوں پر تبسم دوڑنے لگا - گویا اِس طائر میمون نے فکروں کا پہاڑ سر سے گرا دیا -

اب ہجر و فراق کا تلخ جام سب کے سامنے سے ہٹ گیا تھا - عیش دوام کی صراحی سب کے منہ سے لگی تھی !

***

آتش دان کے سامنے ایک بوڑھا چپ بیٹھا تھا - افسردہ نگاہیں آگ پر تھیں - ٹھنڈی سانس لیکر بولا :

" آہ ! میں اِس ایندھن کی طرح ہوں — قریب ہے کہ سب لکڑی جل جائیگی — بالکل جل جائیگی — اِسی طرح میں بھی عنقریب جل جاؤنگا — سر تا سر جل جاؤنگا — "

لیکن فوراً بلبل کی آواز کان میں آئی - مایوس بوڑھا جھنجھلا کر بولا :

" چپ او زبان دراز چڑیا چپ — جوانی کے دن یاد نہ دلا — وہ دن جب جسم میں قوت اور چستی تھی — جب نہ آنکھیں دیکھنے سے تھکتی تھیں ' نہ کان سننے سے — خوشی کے دنوں کی یاد تازہ نہ کر — میں اب زندہ اور پر امید انسان کی جگہ ہڈیوں کا ایک ڈھیر ہوں — مجھے پچھلا زمانہ بھول جانے دے — "

بلبل نے جواب دیا :

" ماضی بعینہ مستقبل ہے — اگر مستقبل تاریک ہے تو ماضی کی یاد اُسے روشن کردیگی — ماضی کی روح پرور نسیم ' حاضر کی گرمی ہلکا کردیگی — آفتاب زندگی ہر وقت درخشاں ہے — خود ہم اُسے اپنے فکروں کے بادلوں سے چھپا دیتے ہیں — "

ماضی ' حاضر ' مستقبل ' تینوں بوڑھے کے دماغ میں آگئے اور مل جل گئے - دل میں گدگدی پیدا ہوئی - آرزوں کے معطر پھول شگفتہ ہوگئے - وہ پھول جو چالیس برس کی عمر میں کلیوں کی پنکھڑیاں توڑ کر مسکرائے تھے !

بوڑھے نے آہستہ سے کہا :

" بلبل نے سچ کہا — بے شک زندگی کا آفتاب ہر وقت روشن ہے — شباب اور پیری ایک ہی ہے — عاقل پیری کو بھی جوانی بنا سکتا ہے — بشرطیکہ جوانی کا پر جوش پانی بڑھاپے کے ساکن پانی میں ملا دے — مسرت کے دنوں کی یاد سے بڑھکر بھی کیا اس دنیا میں کوئی مسرت ہو سکتی ہے ؟ "

پھر وہ چارپائی پر لیٹ گیا اور بلبل کے نغموں میں بے خبر سو گیا !

ماں

(مادری محبت و شعور پر چند خیالات)

" دنیا کا سب سے زیادہ دلکش اور مؤثر منظر کیا ہے ؟ ماں کے وجود کا منظر ہے جب وہ اپنے بچہ کو مامتا بھری نظروں سے دیکھتی ہے ! اِس سے زیادہ دلفریب نظارہ کوئی نہیں ہوسکتا کہ ہر قسم کے افکار و خیالات سے خالی الذہن ' سادہ دل بچہ کودتا اچھلتا پھرتا ہے ' اور اُسکی ماں مادرانہ محبت و ہوشیاری سے اُسکی معصومانہ حرکتوں کی نگرانی کر رہی ہے !-" (نامق کمال)

***

" اُس احساس سے زیادہ خوشگوار احساس شاید کوئی نہیں جو ماں کے دل میں اپنے بچہ کے کھلانے کے وقت پیدا ہوتا ہے ! - اس احساس سے زیادہ الم ناک احساس کوئی نہیں جو ماں اپنے بچہ کو تکلیف میں دیکھکر محسوس کرتی ہے - اِس باب میں عورت ' مرد سے کہیں زیادہ زندگی اور زندگی کی حقیقت کا شعور رکھتی ہے "

" انسان ' باپ سے زیادہ ماں سے متاثر ہوتا ہے - سب سے پہلی صورت جو ہمارے ذہن میں قائم ہوتی ہے وہ ہماری ماں ہی کی صورت ہوتی ہے - ہم زندگی بھر اُس صورت سے متاثر رہتے ہیں - جب ہم حسن کا احساس کرتے ہیں تو ہمارے سامنے اپنی ماں کا وہ چہرہ آجاتا ہے جو ہمیں ہنسایا کرتا تھا - کبھی ہم اُسی کے خط و خال کو نا دانستہ حسن کا معیار قرار دیتے ہیں - ہم اپنی ماں کے کس قدر مزاج داں ہوتے ہیں ؟ صرف اُس کی آنکھیں دیکھکر ہم سمجھ جاتے ہیں کہ وہ خوش ہے یا ناخوش ' حالانکہ ہم بالکل بچہ ہوتے ہیں اور ہمارا سادہ ذہن دنیا کی کوئی بات بھی سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا " (بوفی)

***

" دنیا کی کوئی زبان بھی مادری محبت کی قوت ' خوبصورتی ' اور بہادری کو الفاظ میں بیان نہیں کرسکتی - مرد جھجک کر رہ جاتا ہے - اُس کی قوت جواب دے جاتی ہے ' مگر ماں اپنے بیٹے کی محبت میں کبھی کمزور اور سست نہیں پڑتی - ماں ہمیشہ امانت و اخلاص کا ستارہ بنکر زندگی کے اِس صحرا میں اپنے بچے کی رہنمائی کرتی رہتی ہے " (شاپن)

***

" باپ بے اعتنائی کرسکتا ہے - بھائی دشمن بن سکتا ہے - زن و شو میں عداوت پیدا ہوسکتی ہے - لیکن ماں کی محبت میں کبھی فتور نہیں پڑ سکتا - وہ زندگی بھر یکساں حالت میں تر و تازہ رہتی ہے - لڑکا کتنے ہی قصور کرے ' ماں کی محبت برقرار رہتی ہے - وہ ہمیشہ آس لگائے بیٹھی رہتی ہے کہ کسی نہ کسی دن اُس کا لخت جگر نادم ہوکر اُس کی شفقت بھری گود میں ضرور آجائیگا - ماں زندگی بھر بچہ کی مسکراہٹ یاد رکھتی ہے - وہ مسکراہٹ جو اُس کے سینہ کو مسرت سے لبریز کردیتی تھی ! اِس یاد کی [illegible] میں وہ کسی طرح بھی اپنی مادری محبت سے دست بردار نہیں ہو سکتی " ([illegible])

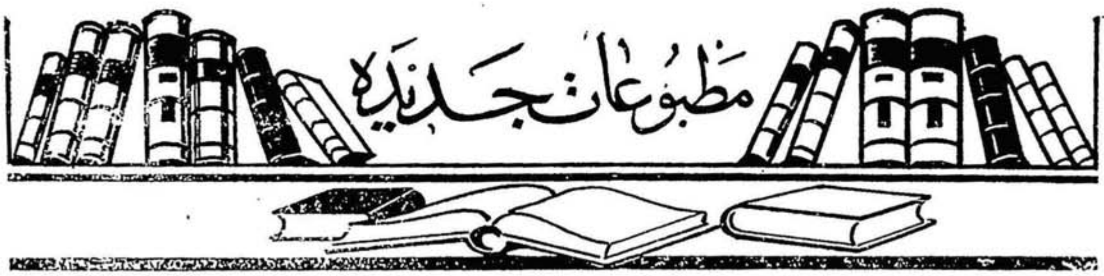

کیا یورپ میں عربی نسل موجود ہے ؟

مندرجۂ صدر سوال کے جواب میں ڈاکٹر احمد شاہین ایک مصری اهل قلم نے ایک دلچسپ کتاب شائع کی ہے جو مصر کی تازہ ڈاک میں آئی ہے - اِس میں مختلف تاریخی اور جغرافیائی مصادر سے ثابت کیا ہے کہ اسوقت تک براعظمِ یورپ کے مختلف مقامات میں عربی نسل کی آبادیاں موجود ہیں - غالباً اس موضوع پر یہ پہلی کتاب ہے جو تاریخی تحقیقات کا ایک نیا میدان اهل نظر کیلئے مہیا کرتی ہے - مصنف نے فرانس کی عربی النسل آبادی کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے' ہم اس کا خلاصہ یہاں ترجمہ کر کے درج کرتے ہیں :

"ساتویں صدی کے اوائل میں عربوں نے فرانس پر حکمرانی کی تھی - کاسون کے علاقہ پر اُنکا پورا قبضہ تھا اور یگور' رویگ' جیود' وان ڈگلے' لورا' اور وادی رون تک اُنکی فوجیں بڑھتی رہتی تھیں - اُنکا سب سے بڑا حریف ڈیوک ڈاکٹن تھا' اور برابر مقابلے کر رہا تھا - لیکن جب اُسکا ایک نیا دشمن پرنس چارلس مارٹل پیدا ہو گیا' تو اُس نے عربوں سے صلح کرلی اور اپنی لڑکی عرب سپہ سالار عثمان بن علی سے بیاہ دی - اسکے بعد سنہ ۲۵۵ ھ میں خود عربوں میں پھوٹ پڑ گئی - سپہ سالار عثمان نے خلیفۂ اندلس سے الگ ہو کر خود مختاری کا اعلان کر دیا - خلیفہ نے اُسکی سرکوبی کیلیے ایک فوج گراں بھیجی - اهل یورپ نے یہ حالت دیکھی تو باہم متفق ہوکر عربوں کے مقابلہ پر آ گئے اور "براتیہ" کا تاریخی معرکہ واقع ہوا - عربوں کو شکست ہوئی' اور وہ فرانس میں ہرطرف بھاگ نکلے - فرانس کے عام باشندوں نے انکے ساتھ بد سلوکی نہیں کی' بلکہ مفروروں کا گرم جوشی سے خیر مقدم کیا - اُنکی شرافت' نیکی' اور اخلاق کی شہرت وہ مدت سے سنتے آئے تھے -

فرانسیسیوں کا یہ حسن ظن آج تک باقی ہے - دیہاتوں میں ابتک عربوں کی شجاعت اور فیاضی کی داستانیں پھیلی ہوئی ہیں جب کاموں سے فارغ ہوکر فرانسیسی کسان رات کے وقت بیٹھتے ہیں تو یہ پرانی کہانیاں ایک دوسرے کو سنایا کرتے ہیں -

مقام مونٹر کسوبل کے قریب ایک گاؤں "کرنبلیہ" نام موجود ہے - یہاں کے باشندے عام فرانسیسیوں سے بالکل علحدہ زندگی بسر کرتے ہیں - اُنسے رشتہ داریاں بھی منظور نہیں کرتے - اِنکی زبان بھی خاص ہے دوسرے لوگ اُسے نہیں سمجھتے - کیونکہ اُس میں عربی الفاظ بکثرت موجود ہیں - یہ لوگ شادی کی تقریب میں فرانسیسیوں کی طرح ناچ کے جلسے بھی نہیں کرتے - اپنی عورتوں کو باہر نکلنے سے بھی روکتے ہیں - اُنکی اکثر عورتیں ابتک برقعہ پہنتی ہیں -

فرانس کے علاقوں میں بکثرت ایسے دیہاتی موجود ہیں جو اپنے رنگ' ذہانت' اور محنت و مشقت میں عام فرانسیسیوں سے بالکل مختلف ہیں - یہ لوگ بھی دراصل عربی نسل سے ہیں - ملک کی آب و ہوا نے اُنپر زیادہ اثر نہیں ڈالا - صرف زبان بدل گئی ہے - تاہم "اللہ" کا تلفظ اسوقت تک صاف کرتے ہیں - اس لفظ کا استعمال اُنکی زبان میں عام ہے - اور بھی بہت سے عربی لفظ اُنکی بول چال میں موجود ہیں -

یہی باعث ہے کہ مشہور فرانسیسی مورخ مسیو حمر نے لکھا ہے :

"جب کسی انسان کو دبلا' سانولا' تیز نظر' اور حبشی پاؤ' تو سمجھ لو کہ وہ قدیم عربوں کی نسل سے ہے "

ایک دوسرا مورخ تصریح کرتا ہے :

"میں نے بہت سے فرانسیسی کسان ایسے دیکھے ہیں جنکے نام ابتک عربی ہیں - مثلاً فتح اللہ' عبد اللہ' نصر اللہ وغیرہ - اُن کی زبان بھی عربی ہے اگرچہ بگڑ گئی ہے - میرے سوال پر اُنہوں نے بتایا کہ اُن کا نسب محفوظ ہے اور یہ کہ وہ عربی النسل ہیں "

ڈوسب اور ڈوریان بڑے کے علاقوں کے باشندے ابتک عربوں کو یاد کرتے اور اُن کی بڑی تعریفیں کرتے ہیں - وہ تمام قدیم آثار اور شکستہ قلعوں کو عربی بتاتے ہیں - جنوبی اور متوسط فرانس میں ابتک بہت سی عربی یادگاریں مثلاً پھاٹک اور کنویں وغیرہ موجود ہیں - اُن کے نام بھی عربی ہیں - اگرچہ اُنہیں فرانسیسی لب و لہجہ نے مسخ کر ڈالا ہے -

تاریخ' عربی فتوحات کی برکتوں کے ذکر سے لبریز ہے - اُنہوں نے صرف یہی نہیں کیا کہ اُن تاریک زمانوں میں علم کا نور فرانس میں پھیلایا بلکہ ہر طرح کی تمدنی اصلاحات بھی جاری کیں - چنانچہ آب پاشی کے ذرائع اُنہی نے مہیا کیے اور باشندوں کو اُنسے فائدہ اٹھانے کے طریقے سکھائے - مختلف قسم کے غلے لے گئے اور اُنکی کاشت رائج کی - الپس کے پہاڑوں پر عمدہ گھاس مویشیوں کیلئے اُنہی کی پیدا کی ہوئی ہے - اوبوسوں کے علاقے میں دری اور قالین بننے کے کارخانے قائم کئے - کورٹین نامی گاؤں میں ابتک اِن کارخانوں کے عرب مزدوروں کی نسل موجود ہے - عربوں کے آنے سے پہلے فرانسیسی کشتی اور جہاز بنانا نہیں جانتے تھے - عربوں ہی سے اُنہوں نے یہ فن سیکھا - موسیو فروم‌نتین اور کلوجید جیسے مورخیں نے اپنی کتابوں میں ثابت کیا ہے کہ اهل فرانس نے فن تعمیر بھی عربوں ہی سے سیکھا تھا - اِسکا زندہ ثبوت ابتک موجود ہے - فرانس کا موجودہ فن تعمیر صاف بتا رہا ہے کہ عربی ذوق اُس میں کار فرما ہے "

مذاکرہ علمیہ

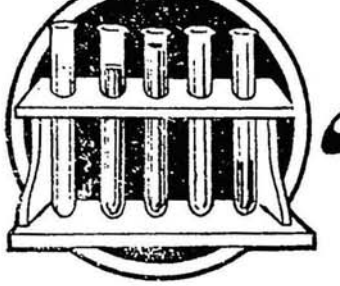

برقی مچھلیاں

حکمت الہی کی کارفرمائیاں بھی کیسی عجیب و غریب ہیں! انسان نے لاکھوں برس کی سراغ رسانیوں کے بعد کائنات کی ایک سب سے بڑی قوت کا کھوج لگایا جسکا نام قوت برق ہے - یہ قوت آج اُس کی کاربراریوں کا سب سے بڑا خزانہ ہے - زمین اِس سے روشن ہوتی ہے - آسمان پر طیارے اسی کے ذریعہ اُڑتے ہیں - سواری کیلئے سب سے بڑا مرکب یہی ہے - کارخانوں کیلئے سب سے بڑی قوت حرکت اسی سے ملتی ہے - خبر رسانی میں اسی کی پیغام بری پر آج بحر و بر کا دار و مدار ہے - زمین کی طاقت کے تمام خزانے خالی ہو جائیں، لیکن اس لازوال خزانے کے ختم ہو جانے کا کبھی اندیشہ نہیں -

لیکن جب انسان نے اس عجیب خزانۂ قوت پر قبضہ کرکے فخر و غرور سے سر اُٹھایا، تو قدرت نے اپنے پردۂ اسرار کا ایک نیا گوشہ کھول دیا - انسان نے دیکھا اور دیکھکر ششدر رہگیا کہ جس چیز کو وہ اپنی طاقتوں کا سب سے بڑا خزانہ سمجھکر اسقدر مغرور ہو رہا ہے، وہ قدرت کے کارخانۂ حیات میں اس سے زیادہ قدر و قیمت نہیں رکھتی کہ چند حقیر اور مجہول جانوروں کے جنگ و شکار کا ایک معمولی سا ہتھیار ہے!

قدرت نے ہر جاندار کو اُسکی غذا کے حصول کیلئے مختلف قسم کی قوتیں اور طرح طرح کے آلات دیے ہیں - کسی جانور کے پاس بڑے بڑے پنجے ہیں - کسی کے پاس لمبے لمبے دانت ہیں، کوئی سینگ کے ہتیارسے لڑتا ہے، کوئی کبھی تیز سانس کے ذریعہ اپنا شکار کھینچ لیتا ہے - ایسا ہی ایک ہتیار برقی قوت کا خزانہ (بیٹری) بھی ہے - جن جانوروں کے پاس یہ خزانہ ہے، وہ اسے ایک ہتیار کی طرح کام میں لاتے ہیں - جب اُنکا شکار قریب آتا ہے، تو برقی قوت کی لہر اسے بے ہوش یا شل کرکے ڈالدیتی ہے، اور وہ اسے بہ آسانی اپنا نوالہ بنا لیتے ہیں!

ان جانوروں کا برقی خزانہ انکے دوران خون کی حرکت سے کچھہ بہت عجیب تعلق رکھتا ہے کہ ہمیشہ برقی قوت اس سے حاصل کی رہتی ہے - قوت کی تیزی اور اجراء کیلئے محرک کی ضرورت ہے - یہ کام اُنکے جوش اور غضب کے ہیجان سے لیا جاتا ہے - جونہی وہ جوش میں آتے ہیں، غضب و ہیجان کی حرارت برقی خزانہ کیلئے تازہ قوت بہم پہنچا دیتی ہے، اور برقی لہریں تیزی کے ساتھہ اٹھنے اور ٹکرانے لگتی ہیں!

ان جانوروں میں سب سے زیادہ عجیب برقی مچھلیاں ہیں - آج ہم انکی بعض اقسام کی تشریح کرتے ہیں - یہ تشریح اُس دلچسپ اور محققانہ مضمون سے ماخوذ ہے جو رسالہ سائنٹفک امریکن کی پچھلی اشاعت میں شائع ہوا ہے۔

(ایک پر اسرار جانور)

سنہ ۱۸۸۲ - کے موسم سرما میں جب پروفیسر ڈیوڈ سٹار جارڈن معلہ کی ویسٹ Key west کی مچھلیوں کی قسموں و عادات کی تحقیق میں سرگرم تھا، تو ایک صبح ایک چھوٹی سی مچھلی اپنے ہاتھہ میں لئے اُس کے دفتر میں وارد ہوا اور ایک دلچسپ قصہ بیان کیا - اُس نے کہا میں نے یہ مچھلی ساحل کے قریب دیکھی تھی - میں نے اُس کے جسم میں کھونپ دیا، مگر جوں ہی خنجر کا پھل اُس سے مس ہوا، ایک سخت صدمہ پہنچا - میرا ہاتھ اور میرا بازو شل ہوگیا!

برقی مچھلی کا یہ پہلا انکشاف تھا۔

(تارپیڈو مچھلی)

یہ مچھلی اُس جنس کی ہے جسے اب تارپیڈو Torpebo یا برقی رے (Electric ray) کہتے ہیں - اس جنس کی سب سے چھوٹی قسم کی مچھلی تھی - بہاما (Bahama) اور کی ویسٹ (Key west) کے مقامی ماہیگیر اسے "نمب فش" (numb fish) یعنی شل کردینے والی مچھلی کہتے ہیں - قدیم زمانے میں اس طرح کی مچھلیاں جن کو نمب کا صدمہ کا اثر ہوتا تھا بہت کمی ہونگی - معلوم نہیں کب سے اور کتنی مدت سے لوگ ان کے کرشمے دیکھتے ہونگے - ساتھ بڑا ہوا ہے نہیں؟

ان مچھلیوں کا جسم بہت چپٹا، شکم کی سطح سفید، اور پشت سیاہ اور چکنی ہوتی ہے - یہ برقی مچھلیاں عام طور پر سمندروں میں ساحل کے قریب پائی جاتی ہیں - ان کی دو قسمیں جو امریکہ کے ساحلوں پر کثرت سے ملتی ہیں، بحر الکاہل کی تارپیڈو کہلاتی ہیں - انکا طول تین فٹ تک ہوتا ہے اور وزن ایک سو دس سیر سے زیادہ نہیں ہوتا - رنگ عموماً سیاہ ہوتا ہے - عام طور پر غذا کے لئے استعمال نہیں کی جاتیں۔

تمام تارپیڈو مچھلیوں کا برقی آلہ ساخت ایک ہی جیسا ہوتا ہے - یہ آلہ ایک بڑی تھیلی کی طرح ہوتا ہے جس میں شہد کی مکھیوں کے چھتے کی طرح چھوٹی چھوٹی شش پہلو کوٹھریاں بنی ہوتی ہیں - بڑی جنسوں میں ایسی کوٹھریاں چارسو تک دیکھی گئی ہیں - اس طرح کی تھیلیاں کھال کے نیچے، سر کے دونوں جانب، آنکھوں کے پیچھے، اور بازؤں یا پیروں کے جڑ سے ملی ہوئی پائی گئی ہیں - اس تھیلی کی ہر کوٹھری گویا جسم کے پٹھوں کی ایک تبدیل شدہ صورت ہے - وہ ایک شفاف اور متحرک گاڑھے قوام (Jelly) سے بھری ہوتی ہے۔

تارپیڈو مچھلی میں اس تھیلی کا برقی خزانہ سب سے بڑا ہوتا ہے - وہ اپنے دشمن پر اسی ہتیار سے حملہ کرتی اور اُسے شل کردیتی ہے - چاقو، برچھی، تلوار سے اس پر حملہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ دھات کی اشیاء فوراً برقی لہر قبول کر لیتی ہیں اور اُن کے

ذریعہ جسم انسانی تک پہنچ جاتی ہیں - یہ اثر اگرچہ خطرناک نہیں ہے مگر کافی گھبراہٹ اور دہشت طاری کردیتا ہے - اس مچھلی کی یہ برقی قوت ایک مرتبہ عمل کرنے کے بعد پھر عارضی طور پر ختم ہو جاتی ہے اور جب تک کچھ عرصہ سکون و آرام کی زندگی بسر نہ کرلے کام نہیں دےسکتی -

ٹارپیڈو کی تقریباً بیس قسمیں گرم اور نیم گرم سمندروں کے متفرق حصوں میں پائی جاتی ہیں -

(نیل کی برقی مچھلی)

برقی مچھلیوں کی دوسری جنس دریاے نیل میں پائی جاتی ہے ' جس کو علمی اصلاح میں الکٹریکس مالپٹیررس (Electricus Malapterurus) کہتے ہیں - اس کی صورت ٹارپیڈو مچھلی سے مختلف ہے - یہ ایک چھوٹی سی مضبوط روغن دار مچھلی ہے جس کی کھال چکنی اور پر چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں - اسکی مونچھیں بھی ہوتی ہیں مگر چھوٹی - بھورے جسم پر چھوٹے بڑے سیاہ داغ ہوتے ہیں - اس مچھلی کا بھی برقی آلہ تقریباً تار پیڈو مچھلیوں کی طرح ہوتا ہے -

(ستارہ بیں)

برقی مچھلیوں کی تیسری قسم داغدار ہے - اس کا اصطلاحی نام ایسٹروسکوپس گٹیٹس (Astrascopus guttatus) ہے - اسکی شکل سب سے علحدہ اور عجیب ہوتی ہے - یہ ایک چھوٹی مگر قوی الجثہ مچھلی ہے جو ایک فٹ لمبی اور صورت میں مینڈک سے مشابہ ہوتی ہے - اسکا سر بڑا اور اوپر کی طرف

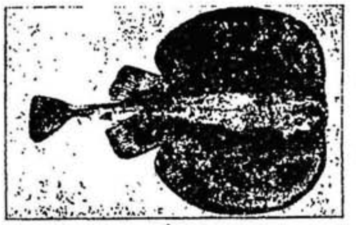

ٹارپیڈو برقی مچھلی

چپٹا ہوتا ہے - اسکے ہونٹوں اور کھردرے بدن پر چھوٹے چھوٹے چھلکے ہوتے ہیں جسم کے اوپر کا حصہ چھوٹے چھوٹے گول داغوں سے بھرا ہوتا ہے

اس کی اصلی خصوصیت اسکے سر کی ساخت ہے - یہ سر ایک مربع بکس کی طرح ہوتا ہے - دونوں آنکھیں سرے پر اس طرح لگی ہوتی ہے کہ ادھر ادھر یا نیچے نہیں دیکھ سکتیں - یہی وجہ ہے کہ اسکا نام ستارہ بیں (Star gazer) رکھا گیا ہے -

اس مچھلی کی آنکھوں کے پیچھے ڈھکے چمڑے کے دو چھوٹے چھوٹے برقی خزانے ہوتے ہیں - پرنسٹن یونیورسٹی کے پروفیسر الرک ڈاہلگرن (U ric Dahlgren) نے اس برقی خزانے کے اجزا کا مطالعہ کیا ہے - اس برقی آلہ کی ساخت بالکل نئی وضع کی ہے - اس میں بہت سے مسطح پرت مساوی مقدار کے ہوتے ہیں جنکو الکٹروپلیکس (Electroplax) کہتے ہیں ' اور ہر دو پرتوں کے درمیان ایک گاڑھا قوام ہوتا ہے - ستارہ بیں مچھلیوں کی بہت سی دوسری قسمیں جاپان اور یورپ کے ساحلوں پر ملتی ہیں - چونکہ یہ مچھلیاں گوشت خوار ہیں ' اسلئے قرینہ یہی ہے کہ چھوٹی چھوٹی مچھلیاں برقی صدمے سے بےحس ہوکر انکے وسیع دہانے کا نوالہ بن جاتی ہونگی -

(برقی ایل)

جس مچھلی میں سب سے زیادہ برقی قوت ودیعت کی گئی ہے وہ برقی ایل (Eel) ہے جسکا اصطلاحی نام الکٹریکس الکٹروفورس (Electricus Electroforus) ہے - یہ مچھلی برازیل اور گائنا کے دریاؤں میں پائی جاتی ہے - ایل مچھلی کو ہندوستان میں بام مچھلی کہتے ہیں اور کھائی بھی جاتی ہے - برقی ایل اگرچہ اپنی لمبی اور سانپ نما شکل میں بام مچھلی سے مشابہ ہوتی ہے مگر عام حیوانات ... تحقیقات میں اسکی باطنی ساخت بام سے مختلف ہے -

برقی ایل اپنی برقی قوت میں تمام برقی مچھلیوں سے زیادہ طاقتور ہے - یہ برقی آلات کے دو جوڑے رکھتی ہے اور دونوں میں بہ کثرت چھوٹی چھوٹی کوٹھریاں ہوتی ہیں - اس برقی آلہ کا ایک جوڑا اسکی دم کے اوپر ہوتا ہے ' دوسرا پچھلے پروں کی جڑ میں - برازیل کی برقی ایل کی لمبائی چھ فٹ تک ہوتی ہے - اس کا برقی صدمہ ایسا تیز و شدید ہوتا ہے کہ مس ہوتے ہی جسم کو بالکل شل کردیتا ہے -

ڈاکٹر ایم ' ای ' بلاک (M. E. Block) اپنی کتاب مچھلیوں کی طبعی تاریخ (Natural History) میں برقی ایل پر متعدد تجربوں کا بیان کرتے ہیں - ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مچھلیاں جب سکون و عافیت میں ہوتی ہیں تو برقی صدمہ نہیں پہونچاتیں ' لیکن اگر انہیں چھیڑ کر مشتعل کردیا جائے تو تیز برقی لہر اٹھنے لگتی ہے - انہیں جسقدر سخت غصہ آئیگا '

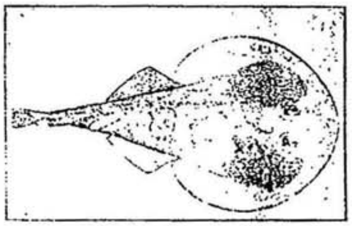

ٹارپیڈو کا برقی خزانہ ایکس رز کی تصویر میں

اتنا ہی زیادہ برق کا صدمہ بھی شدید ہوگا - جب یہ اپنی آزادی کی حالت میں پانی کے اندر ہوتی ہیں تو ان میں برقی قوت زیادہ رہتی ہے ' مگر جب قید کرلی جاتی ہیں تو گھٹ جاتی ہے -

جب برقی مچھلی مرنے لگتی ہے تو اسکی برقی قوت بھی کم ہوتی جاتی ہے - یہانتک کہ مرنے کے بعد بالکل زائل ہوجاتی ہے - ان مچھلیوں کی برقی لہر دھات کی اشیا اور تمام برق پذیر conductor اشیاء میں فوراً سرائت کرجاتی ہے مگر شیشہ اور ریشم پر اثر نہیں کرتی - چھوٹی مچھلیاں ان سے مس ہوتے ہی شل ہوجاتی ہیں اور یہ بہ آسانی اُن کا شکار کرلیتی ہیں -

بعض لوگوں نے دعوا کیا ہے کہ اگر دھات کے دو ٹکڑوں سے یہ مچھلی چھو دی جائے تو دونوں ٹکڑوں کے درمیان ایک برقی شرارہ پیدا ہوجائیگا - مگر یہ دعوی ابھی تجربے کا محتاج ہے - ایک ماہر بیان کرتا ہے کہ انتیس آدمی ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر حلقہ میں کھڑے ہوگئے ' اور اس حلقہ کے ایک سرے پر برقی ایل کا جسم چھو دیا گیا - معاً حلقہ کے تمام آدمیوں کو اسی طرح کا برقی صدمہ محسوس ہوا جیسا کسی بہت بڑے برقی آلہ کے استعمال سے ہوسکتا ہے !

عالم شرق و اسلام

حج سنہ ۱۳۴۵

" وادی غیر ذی زرع " میں قوموں کا ہجوم اور ملکوں کا اتصال !

واذن في النا[illegible] حج یاتوک رجالاً ، وعلی کل ضامر ، یاتین من کل فج عمیق !

منی میں حاجیوں کا پڑاؤ

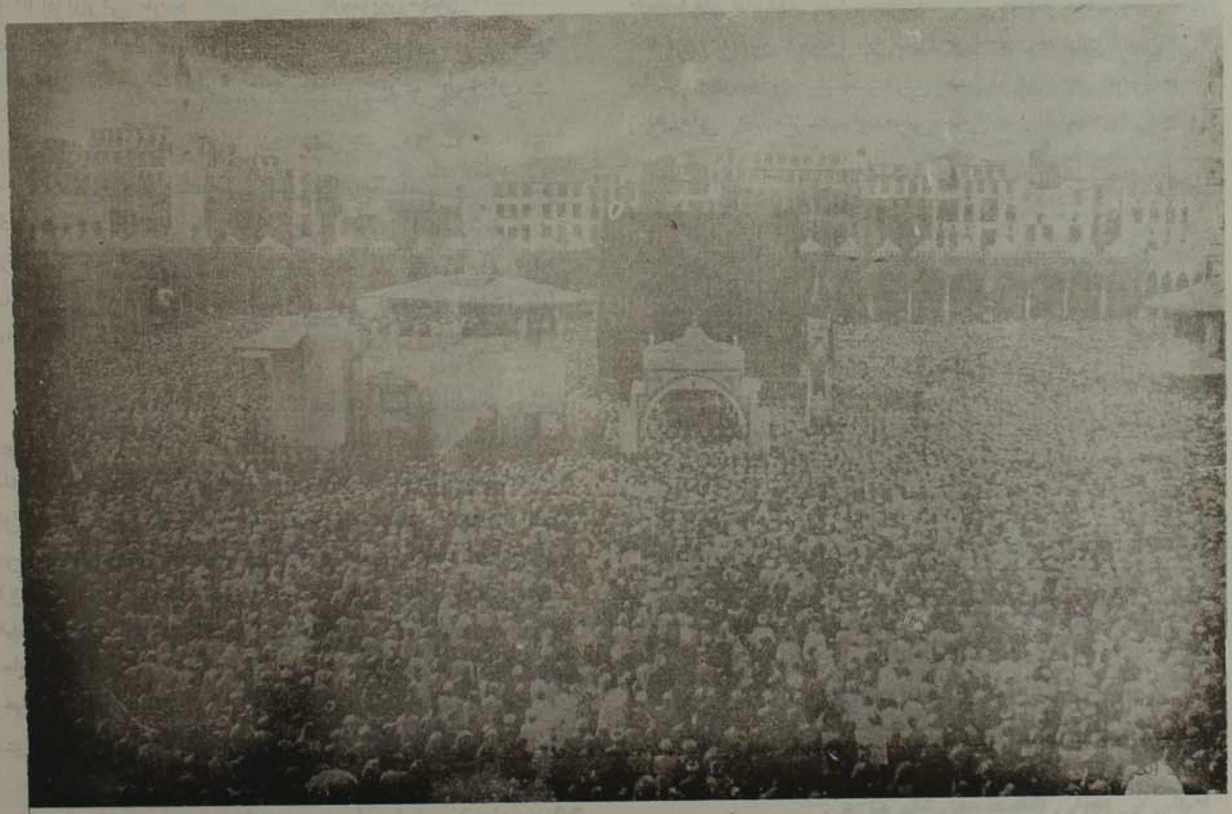

موسم حج میں مسجد حرام کا اجتماع جمعہ

موجودہ زمانے کي سب سے بڑي خصوصيت يہ بتلائي جاتي ہے کہ علوم و تمدن کي ترقي اور سير و حرکت کے حيرت انگيز وسائل نے قوموں اور ملکوں کا تفرقہ دور کر ديا ہے ' بحر و بر کے ڈانڈے مل گئے ہيں ' اور ساري دنيا ايسي ہوگئي ہے ' جيسے ايک مسلسل آبادي کے مختلف محلے اور حصے ہوتے ہيں !

ليکن اس پر بھي ہم ديکھہ رہے ہيں کہ قوموں اور ملکوں کے مکان کا تفرقہ جسقدر کم ہوتا جاتا ہے ' دل اور دماغ کا تفرقہ اتنا ہي بڑھتا جاتا ہے - جسقدر تيزي سے بيسويں صدي کي موٹريں اور طيارے دوڑ رہے ہيں ' اتني ہي تيزي سے قوموں کے دل بھي ايک دوسرے سے برگشتہ ہو رہے ہيں !

ليکن اب سے تيرہ سو برس پہلے جب دنيا موجودہ زمانے کے تمام وسائل قرب و اجتماع سے محروم تھي ' بحر احمر کے کنارے ' ريگستان عرب کے وسط ميں ' حجاز کي " چٹيل اور بے زراعت وادي " کے اندر ' ايک صداء اجتماع بلند ہوئي ' اور نسل انساني کے منتشر افراد کا ايک نيا گھرانا آباد کيا گيا - انساني اجتماع و يگانگت کي يہ پکار صرف اتنا ہي نہيں چاہتي تھي کہ ملکوں کي سرحديں اور جغرافيہ کي حديں ايک دوسرے سے قريب ہوجائيں '

الہلال کے مقالہ نگار مقيم جدہ ۲۸ - مئي کے مراسلہ ميں لکھتے ہيں :

" آجکل بحر احمر کا يہ ساحلي مقام تمام کرۂ ارضي کے انسانوں کا مرکز بن گيا ہے - خشکي اور تري ' دونوں راہوں سے قوموں اور ملکوں کے قافلے پہنچ رہے ہيں - ايسا معلوم ہوتا ہے کہ جدہ کي زمين شق ہوگئي ہے اور انسانوں کے انبوہ اُگل رہي ہے -

اخبارات سے آپکو معلوم ہوچکا ہوگا کہ برطاني نمائندہ جدہ ميں مقيم تھا تاکہ سلطان ابن سعود سے نئے معاہدہ کے مواد پر گفتگو کرے - نمائندہ [illegible] سکريٹريوں کا بھي ايک بڑا اسٹاف تھا - ايک دن ميں نے مغرب کي نماز ساحل کي ريگ پر ادا کي جہاں بعض رؤساء جدہ کے طلب کي طرح ايک روزانہ اجتماع " نادي الصلوة " کے نام سے قائم کر رکھا ہے - نماز کے بعد جب ميں لوٹا اور بازار کے قريب پہنچا ' تو کيا ديکھتا ہوں برطاني نمائندہ کے اسٹاف کے چند انگريز کھڑے بازار کے نظارہ ميں غرق ہيں - ان ميں ايک شخص مسٹر رابرٹس نامي تھے جن سے ميں ايک دو مرتبہ مل چکا تھا - ميں نے انسے پوچھا " آپ کس چيز کے نظارہ ميں اسقدر دلچسپي لے رہے ہيں ؟ " انہوں نے کہا :

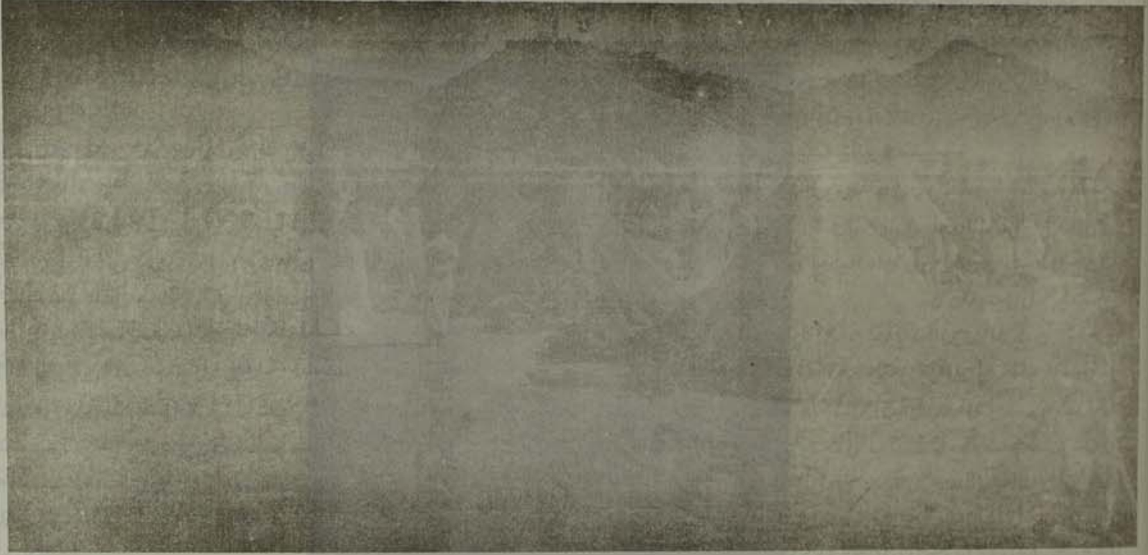

عرفات ميں حاجيوں کا اجتماع !

بلکہ اس کا مقصد نسل انساني کے بکھرے ہوے دلوں اور برگشتہ روحوں کو ايک دوسرے سے جوڑ دينا تھا -

يہ پکار سني گئي - کرۂ ارضي کے سارے گوشوں اور خشکي اور تري کي ساري راہوں سے اس پکار کي بازگشت بلند ہوئي - انجن اور برق کي برق رفتار سواريوں کے ذريعہ نہيں ' تار اور لاسلکي کے کھڑے ہوے ستونوں پر سے نہيں ' بلکہ دل کے اعتقاد اور روح کے ايمان کے ذريعہ اسکي پکار سب نے سني ' اور اسکي پکار کا جواب سب کي زبانوں سے نکلا !

يہ اسلام کي پکار تھي ! يہ اسلام کا فريضۂ حج تھا !

اس نے ملکوں کو اکٹھا کرديا ' قوموں کو جوڑ ديا ' نسل اور زبان و مکان کے سارے تفرقے دور کرديے ' گورے کو کالے کے ساتھہ اور بادشاہ کو فقير کے ساتھہ ساتھہ ايک ہي مقام ميں ' ايک ہي وضع و لباس ميں ' ايک ہي صورت و اعتقاد کے ساتھہ ' اسطرح جمع کرديا کہ انساني گمرہي کے بناے ہوے سارے امتيازات مٹ گئے ' انساني اخوت و وحدت اپني اصلي صورت ميں بے نقاب ہوگئي !

" ديکھو ' يہ ہندوستانيوں کا گروہ ہے - يہ پانچ [illegible] جاري ہوتے ہيں - انکے ساتھہ ايک چيني کي منگولين صورت دکھائي دے رہي ہے - دوسري طرف ايک ترکستاني کي سياہ ٹوپي اور افغاني کي بڑي سي پگڑي ہے - انکے پيچھے ايک گروہ مصري عربوں کا [illegible] جيسے پہنے جا رہا ہے اور انکے ساتھہ اقصاء افريقہ کا ايک مراکشي [illegible] ہنس ہنس کر باتيں کر رہا ہے - تيسري طرف دو حبشي کھڑے ہيں اور ايک مصري طربوش انکے پيچھے نظر آرہي ہے - [illegible] قوموں کي آبادياں جغرافيہ کے نقشے ميں ڈھونڈھي جائيں ' تو کيسے کيسے عظيم سمندر اور بے کنار صحرا ان ميں حائل نظر آئينگے ؟ ليکن يہاں ان سب کو جمع کر ديا گيا ہے - سال کے اس موسم ميں خود بخود دنيا کے تمام گوشے اس جگہ يک جا ہوجاتے ہيں - [illegible] حصے ميں بھي ايسا منظر نظر آسکتا ہے ؟ کيا اس [illegible] بڑھکر کوئي منظر ہے جو انساني اجتماع کي [illegible] قوت کا پتہ دے ؟ ميں سوچ رہا ہوں کہ کس کے ہاتھوں ميں [illegible] کا سرا ہے جس سے بحر و بر کے يہ تمام گوشے کھينچ آئے ہيں ؟

اسلام کے ہاتھہ ميں ! چھٹي صدي کے صحراء عرب [illegible] اسلام آج بھي انساني اخوت کي سب سے بڑي زندہ قوت ہے ! "

شام کي حرکت استقلال

فرانسیسي مظالم کے چند خونیں مناظر!

غوطه (دمشق) میں دو وطن پرست غیرر گرلیوں سے مار ڈالے گئے اور انکي نعشیں سڑک پر چھوڑ دي گئیں

۷ - اکتوبر کے حادثه کے بعد بے شمار آدمي پھانسي پر چڑھاے گئے - ایک پھانسي کا منظر جسمیں تین نعشیں لٹک رهي هیں!

دمشق کے محله میدان کا ایک منظر - بے گناه اور غیر مسلح آبادي کا قتل عام - بے شمار لاشیں سڑک پر پڑي هیں - عرصه تک یه اسي طرح پڑي رهیں!

بصائر و حکم

انسانیت موت کے دروازہ پر!

مشاہیر عالم اپنی زندگی کے آخری اوقات میں

امام علی علیہ السلام

ایک مغربی شاعر کہتا ہے: "اگر تم ایک انسان کو اس کے تمام اوصاف و خصائل اور ضمیر و معنویت کی اصلی صورت میں دیکھنا چاہتے ہو تو انتظار کرو۔ اُس وقت تک انتظار کرو جب موت کا دروازہ اُس پر کھل جائے۔ اُس وقت وہ سارے بناوٹی پردے ہٹ جائینگے جو انسان اپنی حقیقی صورت پر ڈال لیا کرتا ہے۔ اُسکی روح تو تک کی دستکاری سے نقاب پھاڑ ڈالتی ہے اور بے حجاب ہو کر دنیا کے سامنے آجاتی ہے!" یہ بالکل صحیح ہے۔ انسانی حقیقت کا بے پردہ معائنہ صرف اُس کی زندگی کے آخری لمحوں ہی میں کیا جاسکتا ہے۔ ایک مدت سے ہمیں خیال ہوا کہ اگر دنیا کے اکابر و مشاہیر کے صرف وہ حالات جمع کر دیے جائیں جن کا تعلق اُنکی زندگی کی آخری گھڑیوں سے ہے، تو یہ اخلاق، حکمت، اور موعظت کا نہایت عبرت انگیز مجموعہ ہوگا، اور انسانی طبیعت و اخلاق کے بے شمار نکتے اُن سے حل ہو جائینگے۔ چنانچہ اس خیال سے مشاہیر عالم کے حالات پر نظر ڈالی گئی، اور جستجو و تحقیق کے بعد ایک ضخیم مجموعہ مرتب ہو گیا۔ اسمیں تاریخ اسلام کے تمام اکابر و مشاہیر خلفاء راشدین سے لیکر علماء و حکماء تک آگئے ہیں۔ انکے علاوہ عام مشاہیر عالم کی وفات کا بھی کافی ذخیرہ ہے۔ بہ حیثیت مجموعی جب اس ذخیرہ پر نظر ڈالی گئی، تو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ وہی متفرق حالات جو اپنی انفرادی صورت میں کوئی خاص اثر نہیں رکھتے تھے اب یکجا ہو کر تاریخ عالم کی کیسی مفید، پر تاثیر، اور قیمتی چیز بن گئے ہیں؟ آج ہم اس مجموعہ میں سے حضرت علی علیہ السلام کی وفات کے حالات شائع کرتے ہیں۔ آیندہ بھی اسکا سلسلہ جاری رہے گا۔ یہ یاد رہے کہ اس سلسلہ سے مقصود صرف قبل از موت حالات کا بجنسہ جمع کر دینا ہے۔ کسی طرح کی بحث و نظر مقصود نہیں ہے۔ البتہ حالات کے جمع کرنے میں پوری کاوش و جستجو کی گئی ہے۔

جنگ جمل کے بعد اسلامی خلافت کی نزاع دو شخصوں میں محصور ہو گئی تھی: امام علی بن ابی طالب اور معاویہ بن ابی سفیان۔ ان کے درمیان تیسری شخصیت عمرو بن العاص کی تھی اور، اپنے سیاسی تدبر کی وجہ سے غیر معمولی اہمیت رکھتی تھی۔

جنگ صفین نے مسلمانوں میں ایک نیا فرقہ "خوارج" کا پیدا کر دیا تھا۔ یہ اگرچہ تمام تر سیاسی اغراض و مقاصد رکھتا تھا، لیکن مسلمانوں کے دوسرے سیاسی فرقوں کی طرح اُس کے عقائد بھی دینی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ اسنے اپنا سیاسی مذہب یہ آیت قرار دے رکھی تھی کہ "ان الحکم الا للہ" یعنی حکومت کسی آدمی کی نہیں ہونی چاہئے۔ دراصل تاریخ اسلام کے خوارج موجودہ تمدن کے انارکسٹ تھے۔ لہذا وہ کوفہ اور دمشق، دونوں حکومتوں کے مخالف تھے۔

مکہ میں بیٹھکر خارجیوں نے سازش کی۔ تین آدمیوں نے بیڑا اُٹھایا کہ پوری تاریخ اسلام بدل دینگے۔ اور انھوں نے بدل ہی دی۔ عمرو بن بکیر تمیمی نے کہا: "میں حاکم مصر عمرو بن العاص کو قتل کر دوں گا، کیونکہ وہ فتنہ کی متحرک روح ہے!"

برک بن عبداللہ تمیمی نے کہا: "میں معاویہ بن ابی سفیان کو قتل کر دوں گا کیونکہ اُسنے شام میں قیصریت قائم کی ہے!"

ایک لمحہ کے لئے خاموشی چھا گئی۔ علی بن ابی طالب کے نام سے دل تھراتے تھے۔ بالآخر عبدالرحمن بن ملجم مرادی نے مہر سکوت توڑی: "میں علی کو قتل کر دوں گا!"

ان ہولناک مہموں کے لئے ۱۷ رمضان کی تاریخ مقرر کی گئی۔ دو پہلے شخص اپنی مہم میں ناکام رہے۔ لیکن عبدالرحمن بن ملجم کامیاب ہو گیا۔ اس اجمال کی تفصیل حسب ذیل ہے:

مکہ سے چلکر عبدالرحمن کوفہ پہونچا۔ یہاں بھی خوارج کی ایک بڑی جماعت موجود تھی۔ عبدالرحمن اُن کے ہاں آیا جایا کرتا تھا۔ ایک دن قبیلۂ تیم الرباب کے بعض خارجیوں سے اُسکی ملاقات ہو گئی۔ انھی میں ایک خوبصورت عورت قطام بنت شجنہ بن عدی بن عامر بھی تھی۔ عبدالرحمن اُس پر عاشق ہو گیا۔ سنگ دل نازنین نے کہا: "میرے وصل کی شرط یہ ہے کہ جو مہر طلب کروں وہ ادا کرو۔" ابن ملجم راضی ہو گیا۔ قطام نے اپنا مہر یہ بتایا: "تین ہزار درہم، ایک غلام، ایک کنیز، اور علی کا قتل!" عبدالرحمن نے کہا: "منظور، مگر علی کو کیونکر قتل کروں؟" خونخوار معشوقہ نے جواب دیا: "چھپکر۔ اگر تو کامیاب ہو کر لوٹ آئے گا تو مخلوق کو شر سے نجات دے گا اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ مسرت کی زندگی بسر کرے گا۔ اگر مارا جائے گا تو جنت اور لازوال نعمت حاصل کرے گا۔" عبدالرحمن نے مطمئن ہو کر یہ شعر پڑھے:

ثلاثۃ آلاف و عبد و قینۃ	و ضرب علی بالحسام المصمم ۱
فلا مہر اغلیٰ من علی وان غلیٰ	ولا فتک الا دون فتک ابن ملجم ۲

(طبقات ابن سعد۔ کامل طبری وغیرہ)

روایتوں سے ثابت ہے کہ حضرت علی کے قلب میں آنے والے حادثہ کا احساس پیدا ہو گیا تھا۔ عبدالرحمن ابن ملجم کی طرف جب دیکھتے تو محسوس کرتے کہ اس کے ہاتھ خون سے رنگین ہونے والے ہیں۔ ابن سعد کی ایک روایت میں ہے کہ آپ فرماتے تھے: "خدا کی قسم، مجھے آں حضرت صلعم نے بتلایا ہے کہ میری موت قتل سے ہوگی۔"

عبدالرحمن بن ملجم دو مرتبہ بیعت کے لئے آیا مگر آپنے لوٹا دیا۔ تیسری دفعہ آیا تو فرمایا: "سب سے زیادہ بدبخت آدمی کو کون چیز روک رہی ہے؟ واللہ یہ چیز (اپنی ڈاڑھی کی طرف اشارہ کیا) اس کے خون سے (سر کی طرف اشارہ کر کے) ضرور رنگ جانے والی ہے۔" (ابن سعد)

کبھی کبھی جب اپنے ساتھیوں سے خفا ہوتے تو فرماتے: "تمہارے سب سے زیادہ بدبخت آدمی کو آنے اور میرے قتل کرنے سے کون چیز روک رہی ہے؟ خدایا میں ان سے اُکتا گیا ہوں اور یہ مجھ سے اُکتا گئے ہیں۔ مجھے ان سے راحت دے، اور انھیں مجھ سے راحت دے۔" (ابن سعد)

ایک دن خطبہ میں فرمایا: "قسم اس پروردگار کی جسنے بیج اُگایا اور جان پیدا کی! یہ اس سے ضرور رنگ جانے والی ہے (اپنی ڈاڑھی اور سر کی طرف اشارہ کیا) بدبخت کیوں انتظار کر رہا ہے؟"

لوگوں نے عرض کیا: "امیر المومنین! ہمیں اُس کا نام بتائیے ہم ابھی اُس کا فیصلہ کر ڈالیں گے۔" فرمایا: "تو تم ایسے آدمی کو قتل کروگے جسنے مجھے ابھی قتل نہیں کیا ہے۔"

عرض کی گئی: "تو ہم پر کسی کو خلیفہ بنا دیجئے۔" فرمایا: "نہیں، میں تمھیں اُسی حال میں چھوڑ جاؤنگا جس حال میں تمھیں رسول اللہ صلعم چھوڑ گئے تھے۔"

لوگوں نے عرض کیا: "اس صورت میں آپ خدا کو کیا جواب دینگے؟"

فرمایا: "کہوں گا: خدایا میں ان میں تجھے چھوڑ گیا ہوں، تو چاہے تو اُن کی اصلاح کرے اور چاہے انھیں بگاڑ دے۔"

(مسند امام احمد۔ مسند علی)

حادثہ سے پہلے

آپکی کنیز ام جعفر کی روایت ہے کہ واقعہ قتل سے چند دن پہلے میں آپکے ہاتھ دھلا رہی تھی کہ آپنے سر اُٹھایا۔ پھر ڈاڑھی ہاتھ میں لی اور فرمایا: "حیف تجھ پر، تو خون سے رنگی جائے گی۔" (ابن سعد)

آپکے بعض اصحاب کو بھی اس سازش کا کچھ پتہ چل گیا تھا۔ چنانچہ خود بنی مراد میں سے ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا: "امیر المومنین ہوشیار رہئے۔ یہاں کچھ لوگ آپکے قتل کا ارادہ کر رہے ہیں۔" (الامامۃ والسیاسۃ)

یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ کس قبیلہ میں سازش ہو رہی ہے؟ چنانچہ ایک دن آپ نماز پڑھ رہے تھے۔ ایک شخص نے آکر عرض کی: "ہوشیار رہئے کیونکہ قبیلۂ مراد کے کچھ لوگ آپکے قتل کی فکر میں ہیں۔" (ابن سعد)

یہ بھی واضح ہو گیا تھا کہ کون شخص ارادہ کر رہا ہے؟ اشعث نے ایک دن ابن ملجم کو تلوار لگائے دیکھا اور اُس سے کہا: "مجھے اپنی تلوار دکھاؤ۔" اُسنے تلوار دکھائی تو وہ بالکل نئی تھی۔ انھوں نے کہا: "تلوار لگانے کی کیا وجہ ہے حالانکہ یہ زمانہ جنگ کا نہیں؟" عبدالرحمن نے کہا: "میں گاؤں کے اونٹ ذبح کرنا چاہتا ہوں۔" اشعث سمجھ گئے اور اپنے خچر پر سوار ہو کر حضرت علی کے سامنے حاضر ہوئے اور کہا: "آپ ابن ملجم کی جرات و شجاعت سے واقف ہیں؟" آپنے جواب دیا: "لیکن اُسنے مجھے ابھی تک قتل نہیں کیا ہے!" (الکامل)

ایک دن آپ مسجد میں خطبہ دے رہے تھے۔ ابن ملجم منبر کے پاس بیٹھا تھا۔ لوگوں نے سنا کہ وہ دانت پیسکر کہہ رہا ہے: "واللہ میں انھیں تیرے شر سے نجات دیدوں گا۔" امیر المومنین جب مسجد سے اپنے گھر لوٹے تو لوگ اُسے گریبان سے پکڑ کر لائے اور تمام واقعہ سنایا۔ آپنے فرمایا: "لیکن ابھی تک اسنے مجھے قتل نہیں کیا ہے۔ چھوڑ دو۔" (الکامل)

ابن ملجم کا ارادہ اس قدر مشہور ہو گیا تھا کہ خود آپ بھی اُسے دیکھکر عمرو بن معدیکرب کا یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

ارید حباءہ و یرید قتلی　　　عذیرک من خلیلک من مراد

ابن ملجم برابر براءت ظاہر کیا کرتا تھا لیکن ایک دن جھنجھلا کر کہنے لگا: "جو بات ہونے والی ہے ضرور ہو کر رہے گی!"

اسپر بعض لوگوں نے کہا: "آپ اسے پہچان گئے ہیں۔ پھر اسے قتل کیوں نہیں کر ڈالتے؟" فرمایا: "اپنے قاتل کو کیسے قتل کروں؟" (کامل)

صبح شہادت

واقعہ قتل جمعہ کے دن نماز فجر کے وقت ہوا۔ رات بھر ابن ملجم، اشعث بن قیس کندی کی مسجد میں اس کے ساتھ باتیں کرتا

۱ [illegible]

۲ [illegible]

رہا۔ اُسنے کوفہ میں شبیب بن بجرہ نامی ایک اور خارجی کو بھی اپنا شریک بنا لیا تھا۔ دونوں تلوار لے کر چلے اور اُس دروازے کے مقابل بیٹھ گئے جس سے امیر المومنین نکلا کرتے تھے۔ (ابن سعد)

اُس رات امیر المومنین کو نیند نہیں آئی۔ حضرت حسن سے مروی ہے کہ سحر کے وقت میں حاضر ہوا تو فرمایا "فرزند! رات بھر جاگتا رہا ہوں۔ ذرا دیر ہوئی بیٹھے بیٹھے آنکھ لگ گئی تھی۔ خواب میں رسول اللہ صلعم کو دیکھا۔ میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ! آپکی اُمت سے میں نے بڑی تکلیف پائی" فرمایا "دعا کر کہ خدا تجھے ان سے چھٹکارا دیدے" (کامل)

اسپر میں نے دعا کی "خدایا! مجھے ان سے بہتر رفیق عطا فرما اور انھیں مجھ سے بدتر ساتھی دے" (ابن سعد)

حضرت حسن (علیہ السلام) فرماتے ہیں اسی وقت ابن النباح مؤذن بھی حاضر ہوا اور پکارا "الصلوۃ!" (نماز) میں نے آپکا ہاتھ تھام لیا۔ آپ اُٹھے۔ ابن النباح آگے تھا۔ میں پیچھے تھا۔ دروازے سے باہر نکل کر آپنے پکارا "لوگو، نماز!" روز آپ کا یہی دستور تھا کہ لوگوں کو نماز کے لئے مسجد میں جگاتے پھرتے تھے (ابن سعد)

ایک اور روایت میں ہے کہ موذن کے پکارنے پر آپ اُٹھے نہیں۔ لیٹے رہے۔ موذن دوبارہ آیا مگر آپ سے پھر بھی اُٹھا نہ گیا۔ سہ بارہ اُس کی آواز دینے پر آپ بہ مشکل اُٹھے اور یہ شعر پڑھتے ہوئے مسجد کو چلے:

اشدد حیازیمک للموت — فان الموت لاقیکا
(موت کے لئے کمر کس لے کیونکہ موت تجھ سے ضرور ملاقات کرنیوالی ہے)
ولا تجزع من الموت — اذا حل بوادیکا
(موت سے نہ ڈر اگر وہ تیرے یہاں نازل ہوجائے)
(احیاء العلوم جلد ۴)

"فزت برب الکعبۃ!"

آپ جوں ہی آگے بڑھے، دو تلواریں چمکتی نظر آئیں، اور ایک آواز بلند ہوئی "حکومت خدا کی ہے نہ کہ علی تیری!" شبیب کی تلوار تو طاق پر پڑی۔ لیکن ابن ملجم کی تلوار آپکی پیشانی پر لگی اور دماغ تک اُتر گئی۔ (ابن سعد)

زخم کھاتے ہی آپ چلائے "فزت برب الکعبۃ" (رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہوگیا) (احیاء ج ۴)

نیز پکارے "قاتل جانے نہ پائے" لوگ ہر طرف سے ٹوٹ پڑے۔ شبیب تو بچ نکل بھاگا۔ (ابن سعد)

عبدالرحمن نے بھی تلوار گھمانا شروع کردی۔ اور مجمع کو چیرتا ہوا آگے بڑھا۔ قریب تھا کہ ہاتھ سے نکل جائے لیکن مغیرہ بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب جو اپنے وقت کے پہلوان تھے دوڑے اور بھاری کپڑا اُس پر ڈال دیا اور زمین پر دے مارا (الکامل)

قاتل اور مقتول

امیر المومنین گھر پہنچائے گئے۔ اپنے قاتل کو طلب کیا جب وہ سامنے آیا تو فرمایا "اے دشمن خدا! کیا میں نے تجھ پر احسان نہیں کئے تھے؟" اُسنے کہا "ہاں" فرمایا "پھر تو نے یہ حرکت کیوں کی؟" کہنے لگا "میں نے اسے (تلوار کو) چالیس دن تیز کیا تھا اور خدا سے دعا کی تھی کہ اس سے اپنی بدترین مخلوق کو قتل کرائے۔" فرمایا "میں سمجھتا ہوں تو اسی سے قتل کیا جائے گا۔ اور خیال کرتا ہوں تو ہی خدا کی بدترین مخلوق ہے" (طبری جلد ۶)

آپ کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم نے پکار کر کہا "او دشمن خدا تو نے امیر المومنین کو قتل کر ڈالا!" کہنے لگا "میں نے امیر المومنین کو قتل نہیں کیا البتہ تیرے باپ کو قتل کیا ہے!" اُنھوں نے غصہ ہو کر کہا "واللہ میں امید کرتی ہوں امیر المومنین کا بال بیکا نہ ہوگا" کہنے لگا "پھر کیوں آنسو بہاتی ہو!" پھر بولا "بخدا میں نے مہینہ بھر اسے (تلوار کو) زہر پلایا ہے۔ اگر اب بھی بے وفائی کرے تو خدا اسے غارت کرے!" (ابن سعد)

امیر المومنین نے حضرت حسن سے کہا "یہ قیدی ہے۔ اس کی خاطر تواضع کرو۔ اچھا کھانا دو، نرم بچھونا بچھا دو۔ اگر زندہ رہوں گا تو اپنے خون کا سب سے زیادہ دعویدار میں ہونگا۔ قصاص لوں گا یا معاف کردونگا۔ اگر مرجاؤں تو اسے بھی میرے پیچھے روانہ کردینا۔ رب العالمین کے حضور اس سے جواب طلب کرونگا۔"

(ابن سعد) "اے بنی عبدالمطلب ایسا نہ ہو کہ مسلمانوں کی خونریزی شروع کردو اور کہو کہ امیر المومنین قتل ہوگئے! امیر المومنین قتل ہوگئے! خبردار میرے قاتل کے سوا کوئی دوسرا قتل نہ کیا جائے۔ اے حسن اگر میں اس کی اس ضرب سے مرجاؤں تو اسے بھی ایک ہی ضرب سے مارنا۔ اس کے ناک کان کاٹ کر لاش خراب نہ کرنا کیونکہ میں نے نبی صلعم کو فرماتے سنا ہے کہ خبردار ناک کان نہ کاٹو اگرچہ وہ کاٹنے والا کتا ہی کیوں نہ ہو" (طبری)

ایک روایت میں ہے کہ فرمایا "اگر تم قصاص لینے ہی پر اصرار کرو تو چاہئے کہ اسے اسی طرح ایک ضرب سے مارو جس طرح اسنے مجھے مارا ہے لیکن اگر معاف کردو تو یہ تقوی سے زیادہ قریب ہے (کامل) دیکھو زیادتی نہ کرنا۔ کیونکہ خدا زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا (ابن سعد)

وصیت

پھر آپ بیہوش ہوگئے۔ جب ہوش میں آئے تو جندب بن عبداللہ نے حاضر ہو کر کہا "خدانخواستہ اگر ہم نے آپ کو کھودیا تو کیا حسن کے ہاتھ پر بیعت کریں؟" آپنے جواب دیا "میں تمہیں نہ اس کا حکم دیتا ہوں نہ اس سے منع کرتا ہوں۔ (اپنی مصلحت تم بہتر سمجھتے ہو)" (طبری)

پھر اپنے صاحبزادوں حسن اور حسین کو بلا کر فرمایا "میں تم دونوں کو تقوی الہی کی وصیت کرتا ہوں۔ اور اس کی کہ دنیا کے پیچھے نہ پڑنا اگرچہ وہ تمہارا پیچھا کرے۔ جو چیز تم سے دور ہو جائے اُس پر کڑھنا نہیں۔ ہمیشہ حق کہنا۔ یتیم پر رحم کرنا۔ بیکس کی مدد کرنا۔ آخرت کے لئے عمل کرنا۔ ظالم کے دشمن بننا۔ مظلوم کے حامی ہونا۔ کتاب اللہ پر چلنا۔ خدا کے باب میں ملامت کرنے والوں کی ملامت کی پرواہ نہ کرنا"

پھر اپنے تیسرے صاحبزادہ محمد بن الحنفیہ کی طرف دیکھا "جو نصیحت میں نے تیرے بھائیوں کو کی تو نے حفظ کرلی؟" انھوں نے عرض کی "جی ہاں" فرمایا "میں تجھے بھی وہی وصیت کرتا ہوں نیز وصیت کرتا ہوں کہ اپنے ان دونوں بھائیوں کے عظیم حق کا خیال رکھنا۔ ان کی اطاعت کرنا۔ بغیر انکی رائے کے کوئی کام نہ کرنا"

پھر امام حسن و حسین (علیہما السلام) سے فرمایا "میں تمہیں اس کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کیونکہ یہ تمہارا بھائی ہے۔ تمہارے باپ کا بیٹا ہے اور تم جانتے ہو کہ تمہارا باپ اس سے محبت کرتا تھا"

پھر امام حسن سے فرمایا "فرزند! میں تجھے وصیت کرتا ہوں خوف خدا کی۔ اپنے اوقات میں نماز قائم کرنے کی۔ میعاد پر زکوۃ ادا کرنے کی۔ ٹھیک وضو کرنے کی۔ کیونکہ نماز بغیر طہارت ممکن نہیں اور مانع زکوۃ کی نماز مقبول نہیں۔ نیز وصیت کرتا ہوں خطائیں معاف کرنے کی۔ غصہ پی جانے کی۔ رشتے جوڑنے کی۔ بُردباری کی۔ دین میں عقل و دانش کی۔ ہر معاملہ میں تحقیق کی۔ قرآن کے مزاولت کی۔ پڑوسی سے حسن سلوک کی۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی۔ فواحش سے اجتناب کی" (طبری جلد ۶)

پھر اپنی تمام اولاد کو مخاطب کر کے کہا "خدا سے ڈرتے رہو اُس کی اطاعت کرو۔ جو تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے اُس کا غم نہ کرو۔ اپنے پروردگار کی عبادت پر کمربستہ رہو، چست و چالاک بنو، سستی نہ کرو۔ ذلت قبول نہ کرو۔ خدایا ہم سب کو ہدایت پر جمع کر، ہمیں اور انھیں دنیا سے بے رغبت کردے۔ ہمارے اور انکے لئے آخرت اول سے بہتر کر" (الامامۃ والسیاسۃ)

آخری وصیت

وفات کے وقت یہ وصیت لکھوائی "یہ علی بن ابی طالب کی وصیت ہے۔ وہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ وحدہ لا شریک لہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور یہ کہ محمد اُس کے بندے اور رسول ہیں۔ میری نماز، میری عبادت، میرا جینا، میرا مرنا، سب کچھ اللہ رب العالمین ہی کے لئے ہے۔ اُس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا فرمانبردار ہوں۔ پھر اے حسن میں تجھے اور اپنی تمام اولاد کو وصیت کرتا ہوں کہ خدا کا خوف کرنا اور جب مرنا تو اسلام ہی پر مرنا۔ سب ملکر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑلو، اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو۔ کیونکہ میں نے ابو القاسم (رسول اللہ صلعم) کو فرماتے سنا ہے کہ آپس کا ملاپ قائم رکھنا روزے نماز سے بھی افضل ہے۔ اپنے رشتہ داروں کا خیال رکھو، اُن سے بھلائی کرو، خدا تم پر حساب آسان کردے گا۔ اللہ! اللہ! یتیم! یتیم! یتیموں کا خیال رکھو۔ اُنکے منہ میں خاک نہ ڈالو۔ وہ تمہاری موجودگی میں ضائع نہ ہونے پائیں۔ اللہ دیکھو تمہارے پڑوسی! تمہارے پڑوسی! اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھو۔ کیونکہ یہ تمہارے نبی کی وصیت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برابر پڑوسیوں کے حق میں وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ ہم سمجھے شاید انھیں ورثہ میں شریک کردینگے۔ اور دیکھو، قرآن! قرآن! ایسا نہ ہو قرآن پر عمل کرنے میں کوئی تم سے بازی لے جائے۔ اور نماز! نماز! کیونکہ وہ تمہارے دین کا ستون ہے۔ اور تمہارے رب کا گھر! اپنے رب کے گھر سے غافل نہ ہونا! اور جہاد فی سبیل اللہ! جہاد فی سبیل اللہ! اللہ کی راہ میں اپنی جان و مال سے جہاد کرتے رہو۔ زکوۃ! زکوۃ! پروردگار کا غصہ ٹھنڈا کرتی ہے۔ اور ہاں، تمہارے نبی کے ذمی! تمہارے نبی کے ذمی! (یعنی وہ غیر مسلم جو تمہارے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں) ایسا نہ ہو کہ تمہارے سامنے ظلم کیا جائے۔ اور تمہارے نبی کے صحابی! تمہارے نبی کے صحابی! یاد رکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابیوں کے حق میں وصیت کی ہے۔ اور فقراء و مساکین! فقراء و مساکین! انھیں اپنی روزی میں شریک کرو۔ اور تمہارے غلام! تمہارے غلام! غلاموں کا خیال رکھنا۔ خدا کے باب میں اگر کسی کی بھی پروا نہیں کروگے تو خدا تمہارے دشمنوں سے تمہیں محفوظ کردیگا۔ خدا کے تمام بندوں پر شفقت کرو۔ جب بات کرو تو میٹھی زبان میں بات کرو ایسا ہی خدا نے حکم دیا ہے۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر چھوڑنا، ورنہ تمہارے اشرار تم پر مسلط کردئے جائینگے، پھر تم دعائیں کروگے مگر قبول نہ ہونگی۔ باہم ملے جلے رہو۔ بے تکلف اور سادگی پسند رہو۔ خبردار ایک دوسرے سے نہ کٹنا اور نہ آپس میں پھوٹ ڈالنا۔ نیکی اور تقوی پر باہم مددگار رہو۔ مگر گناہ اور زیادتی میں کسی کی مدد نہ کرو۔ خدا سے ڈرو کیونکہ اس کا عذاب بڑا ہی سخت ہے۔ اے اہل بیت! خدا تمہیں محفوظ رکھے اور اپنے نبی کو تم میں یاد رکھو

میں تمھیں خداہی کے سپرد کرتا ہوں - تمھارے لئے سلامتی اور رحمت چاہتا ہوں"

اس کے بعد "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کہا اور ہمیشہ کے لئے آنکھیں بند کرلیں - (طبری جلد ۶)

دفن کے بعد

دفن کے بعد دوسرے دن حضرت امام حسن نے مسجد میں خطبہ دیا:
"لوگو! کل تم سے ایک ایسا شخص رخصت ہوگیا ہے جس سے نہ اگلے علم میں پیشقدمی کر گئے اور نہ پچھلے اُس کی برابری کر سکیں گے - رسول اللہ صلعم اُسے جھنڈا دیتے تھے اور اُس کے ہاتھ پر فتح ہوجاتی تھی - اُسنے چاندی سونا کچھ نہیں چھوڑا - صرف اپنے روزینے میں سے کاٹ کر ۷۰۰ درہم گھر کے لئے جمع کئے تھے" (ایک درہم تقریباً چار آنے کا ہوتا تھا) (مسند حسن)

زید بن حسین سے مروی ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام کی شہادت کی خبر کلثوم بن عمر کے ذریعہ مدینہ پہنچی - سنتے ہی تمام شہر میں کہرام پڑ گیا - کوئی آنکھ نہ تھی جو روتی نہ ہو - بالکل وہی منظر درپیش تھا جو رسول اللہ کی وفات کے دن دیکھا گیا تھا - جب ذرا سکون ہوا تو صحابہ نے کہا "چلو ام المومنین عائشہ کو دیکھیں کہ رسول اللہ کے بھتیجے کی موت سنکر اُن کا کیا حال ہے؟"

حضرت زید کہتے ہیں "سب لوگ ہجوم کرکے ام المومنین کے گھر گئے اور اجازت چاہی - اُنھوں نے دیکھا کہ حادثہ کی خبر یہاں پہلے سے پہنچ چکی ہے اور ام المومنین غم سے نڈھال، آنسوؤں سے تر بتر بیٹھی ہیں - لوگوں نے یہ حالت دیکھی تو خاموش لوٹ آئے"

حضرت زید فرماتے ہیں "دوسرے دن مشہور ہوا ام المومنین رسول اللہ کی قبر پر جا رہی ہیں - مسجد میں جتنے بھی مہاجرین و انصار تھے، استقبال کو اٹھ کھڑے ہوئے اور سلام کرنے لگے - مگر ام المومنین نہ کسی کے سلام کا جواب دیتی تھیں، نہ بولتی تھیں ..... شدت گریہ سے زبان بند تھی - دل تنگ تھا - چادر تک سنبھلتی نہ تھی - بار بار پیروں میں الجھتی اور آپ لڑکھڑا لڑکھڑا جاتیں - برقت تمام پہنچیں - لوگ پیچھے پیچھے چلے آرہے تھے - حجرہ میں داخل ہوئیں تو دروازہ پکڑ کر کھڑی ہوگئیں اور ٹوٹی ہوئی آواز میں کہا:

"اے نبی ہدایت! تجھ پر سلام! اے ابو القاسم تجھ پر سلام! اے رسول اللہ! آپ پر اور آپکے دونوں ساتھیوں پر سلام! میں آپکے محبوب ترین عزیز کی موت کی خبر آپکو سنانے آئی ہوں! میں آپ کو آپکے عزیز ترین کی یاد تازہ کرنے آئی ہوں! بخدا آپ کا چنا ہوا حبیب، منتخب کیا ہوا عزیز، قتل ہوگیا! واللہ وہ قتل ہوگیا جس کی بیوی افضل ترین عورت تھی! واللہ وہ قتل ہوگیا جو ایمان لایا اور ایمان کے عہد میں پورا اترا! میں رونے والی غمزدہ ہوں! میں اُسپر آنسو بہانے اور دل جلانے والی ہوں! اگر قبر کھل جاتی تو تیری زبان بھی یہی کہتی کہ تیرا عزیز ترین اور معزز ترین وجود قتل ہوگیا! ..." (عقد الفرید ج ۲)

ایک روایت میں ہے کہ ام المومنین عائشہ نے جب امیر المومنین کی شہادت سنی تو ٹھنڈی سانس لی اور کہا "اب عرب جو چاہیں کریں! کوئی اُنھیں روکنے والا باقی نہیں رہا" (استیعاب)

مرثیہ

آپکے مشہور صحابی ابو الاسود الدئلی نے مرثیہ کہا تھا جس کا پہلا شعر کتب ادب و محاضرات میں عام طور پر نقل کیا جاتا ہے:

الا ابلغ معاویۃ بن حرب ❊ فلا قرت عیون الشامتینا

مقالات

اسلام اور "نیشنلزم"

لا تقل دارہا بشرقی نجد
کل نجد للعامریۃ دار!

(۲)

انسان اپنی قومی زندگی میں اپنے اجتماعی رشتوں کی مختلف منزلوں سے درجہ بدرجہ کیونکر گزرا؟ اُس کی انفرادی زندگی میں آج بھی یہ تمام منزلیں کس طرح یکے بعد دیگرے پیش آتی ہیں؟ اسکی مختصر سرگزشت تمھاری نظروں سے گزر چکی - خلاصہ اس کا یہ ہے کہ:

(۱) قومیت اور وطنیت انسان کے اجتماعی رشتہ کی ایک خاص حالت کا نام ہے - لیکن یہ کوئی مستقل حالت نہیں ہے - ایک سلسلۂ دراز کی مختلف کڑیوں میں سے ایک کڑی ہے۔

(۲) یہ سلسلہ انسان کی اجتماعی زندگی اور اجتماعی ربط و علائق کے احساس و اعتقاد" کا سلسلہ ہے - جس طرح کائنات ہستی کی ہر چیز اپنے ابتدائی نقطہ سے شروع ہوکر بہ تدریج بلوغ و کمال تک پہنچتی ہے اور جس طرح انسان نے اپنے علم و عمل کے ہر گوشے میں بہ تدریج ترقی کرکے حقیقت و کمال تک رسائی حاصل کی ہے، اُسی طرح اس معاملہ میں بھی اُس کا سفر ابتدا سے انتہا تک، طفولیت سے رشد و بلوغ تک، اور نقص سے کمال تک پہنچا اور ختم ہوتا ہے - اس ارتقائی سلسلہ کی ابتدائی کڑی "امومۃ" اور انتہائی "انسانیۃ" ہے - جس رشتہ کو قومیت اور جنسیت سے آج تعبیر کیا جاتا ہے، وہ در اصل اس سلسلۂ ارتقا کی ایک درمیانی کڑی ہے۔

(۳) چونکہ درمیانی کڑی ہے، اس لئے وہ اجتماعی رشتہ کی کوئی حقیقی حالت نہیں ہے - محض ایک اضافی چیز ہے - جس طرح ایک زمانے میں انسان نظر کی تنگی اور علم کی کوتاہی سے صرف "امومۃ" اور "ابوۃ" یا "عائلہ و قبیلہ" کے رشتہ پر قانع تھا، اُسی طرح جب وسعت علائق کے ایک دو قدم اور آگے بڑھے، تو قومیت و جنسیت کا دائرہ پیدا ہوگیا - بلاشبہ یہ دائرہ پچھلے دائروں سے زیادہ وسیع ہے، لیکن فطرۃ کی حقیقی وسعت کے مقابلے میں پھر تنگ اور ناتمام ہے - فطرۃ اور حقیقت کی اصلی وسعت کیا ہے؟ "انسانیت" اور "ارضیۃ" کا عالمگیر رشتہ - یہی انسان کی اجتماعی زندگی کے لئے ایک ہی فطری رشتہ ہے - باقی سب اضافی، اور اس لئے غیر حقیقی ہیں۔

(۴) اس معاملہ کی پوری وضاحت کے لئے ضروری ہے کہ اسی قسم کی دوسری حالتیں بھی سامنے لائی جائیں - انسان نے صرف اپنے ہی کو نہیں بلکہ اپنے سے باہر کی بھی ہر چیز اسی طرح پائی ہے۔

اُسنے پہلے زمین کے اُس ٹکڑے کو سب کچھ سمجھا تھا جس میں پیدا ہوا تھا - اب بھی جب پیدا ہوتا ہے تو گھر کی چار دیواری ہی اس کی دنیا ہوتی ہے - اُسنے زمین کی عام مخلوقات پر نظر ڈالی، اور اُن میں سے ہر قسم اور نوع کو مدتوں کے بعد پہچان سکا - اُسنے آسمان کی طرف نظر اٹھائی، اور ہزاروں لاکھوں برس کے بعد یہ حقیقت معلوم کر سکا کہ سورج کا ایک نظام اجتماع ہے اور خود کرۂ ارضی بھی اُسی کا ایک ذرہ ہے۔

علم و ادراک کے ان تمام سفروں میں اُن کی درمیانی منزلیں جو درجہ رکھتی ہیں، وہی درجہ یہاں کی بھی درمیانی منزلوں کا ہے - زمین کے بارے میں انسانی علم کی ایک درمیانی منزل یہ تھی کہ آبادی صرف اس کے نصف حصہ میں ہے باقی سمندر ہے - یہ منزل علم اور حقیقت کی منزل تھی، یا جہل اور محجوبیت کی؟ اگر علم اور حقیقت کی منزل نہ تھی، تو پھر بعینہ وطنیت اور جنسیت بھی اس سفر کی ویسی ہی درمیانی منزلیں ہیں - یہ انسان کے جہل و نقص کی منزلیں کیوں نہ ہوں؟ انسان نے جب پہلے پہل جہاز رانی شروع کی تھی تو (مثلاً) ہر سمندر کے گوشہ کو پانی کی ایک مستقل دنیا یقین کرلیا تھا اور اُنکے بیشمار نام رکھ دیے تھے - پھر ایک وقت آیا جب اُسے معلوم ہوا کہ یہ اُسکے علم و نظر کی ناتمامی تھی - در اصل زمین کا سمندر ایک ہی ہے - اُسی کے مختلف گوشے ہیں جو ادہر اُدہر پھیل گئے ہیں - جب اُسنے ایک سمندر کو پچاس سمندر خیال کیا تھا، تو یہ منزل علم و حقیقت کی منزل تھی، یا نقص و جہل کی؟ اگر نقص و جہل کی تھی تو انسانی جہل و اعتقاد کی وہ حالت کیوں جہل و نقص کی حالت نہ ہو جب وہ یقین کرتا ہے کہ انسانیۃ کا ایک ہی رشتۂ اجتماع، ایک ہی رشتۂ اجتماع نہیں ہے بلکہ اس کے ٹکڑے اور بے شمار رشتیں ہیں؟ بلاشبہ جس طرح زمین کے ایک حصہ کا علم و یقین، اُس حالت کے مقابلے میں جب انسان کو زمین کا اتنا علم بھی حاصل نہ تھا، علم کی وسعت تھی اور حقیقت سے قرب تھا - اُسی طرح یہاں بھی قومیت و جنسیت کی حالت اُس حالت کے مقابلہ میں جب انسان عائلہ اور قبیلہ کے تنگ دائروں پر قانع تھا، علم کی زیادہ وسعت اور حقیقت سے زیادہ قرب ہے، لیکن یہ ایک اضافی حالت ہوئی - علم اور حقیقت نہیں ہے - علم و حقیقت کی منزل اگر نمودار ہوجائے تو پھر وہ کمال کا نقطہ اور ارتقا کی انتہا ہوگی - اُس وقت کسی پچھلی منزل پر قانع رہنا ترقی نہیں ہوگی - تنزل ہوگا۔

اگر آج ایک شخص امریکہ کے وجود سے منکر ہو اور کہے کرہ کا صرف ایک ہی حصہ آباد ہے، تو تم کیا کہوگے؟ یقیناً یہی کہوگے کہ چھ سو برس پیشتر کا جہل قبول کرنے کے لئے دنیا طیار نہیں ہو سکتی۔

اچھا، تم اُس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو جو کہتا ہے کہ انسان کو نسل و مکان یا جنس و قوم کے رشتے پر قناعت کر لینی چاہئے کیونکہ ایک زمانے میں اُس کا علم و ادراک انہی دائروں میں محدود تھا؟ تم نے ابھی کہا تھا کہ "دنیا چھ سو برس پیشتر کا جہل قبول کرنے کے لئے طیار نہیں" کیا اب تمھیں ٹھیک اُسی طرح یہ نہیں کہدینا چاہئے کہ "دنیا ہزاروں برس پیشتر کا جہل قبول

کرنے کے لئے طیار نہیں"؟ کیسی عجیب بات ہو کہ تم ایک ہی چیز کو ایک جگہ ٹھکراتے ہو اور دوسری جگہ اپنے سر پر جگہ دیتے ہو؟ اس سے بھی بڑھ کر انسان کی عالمگیر غفلت و مجوبیت کا کوئی منظر ہو سکتا ہو کہ اُسے چھ سو برس پیچھے ہٹنے سے تو انکار ہو، لیکن اس سے انکار نہیں کہ ہزاروں برس پیچھے دھکیل دیا جائے؟

۳

اسلام اور عصبیت قوم وجنس

ان مقدمات کی تشریح کے بعد اب دیکھنا چاہئے کہ اسلام نے اس بارے میں دنیا کو جس طرف لیجانا چاہا تھا، وہ کونسی منزل اور کونسا نقطہ ہو؟

وہ منزل "انسانیۃ" کی منزل ہو۔ وہ نقطہ اس سلسلۂ ارتقا کا نقطہ کمال ہو!

چھٹی صدی عیسوی میں جب اسلام کا ظہور ہوا، تو دنیا کے قدم "قبیلہ" اور "وطنیۃ" کی منزل سے آگے نہیں بڑھے تھے۔ اسلام کا ظہور عرب میں ہوا، اور عرب کی آبادی قبیلوں کا مجموعہ تھی۔ ہر قبیلہ اپنی نسلی جنسیت کے دائرہ کے اندر محدود تھا، اور اس سے باہر کی کوئی وسعت قبول نہیں کرتا تھا۔ ان تنگ دائروں کے اعتقاد سے فخر و غرور اور نسل انسانی کی تحقیر و تذلیل، اور باہمدگر غلبۂ و تسلط کے جس قدر مہلک جذبات پیدا ہو جایا کرتے ہیں (جن کی تشریح آگے آئے گی)، وہ سب کے سب اس شدت و قوت کے ساتھ اُن کے خمیر میں سرایت کر چکے تھے کہ شاید ہی کسی قوم کی تاریخ میں اس کی نظیر مل سکے۔ اُن میں کا ہر فرد اپنے قبیلہ کے انتساب سے بڑھ کر دنیا کی کوئی عظمت و کبریائی تسلیم نہیں کرتا تھا۔ سیکڑوں ہزاروں جانیں آن کی آن میں قربان ہو جاتی تھیں تاکہ قبیلہ کے شرف و غرور کو صدمہ نہ پہنچے۔ یہ معاملہ اس درجہ معلوم و مسلم ہو کہ تفصیل کی ضرورت نہیں۔ حماسہ میں آج بھی انکے اشعار پڑھتے ہیں تو جذبات نسل و نسب کی شدت و حرارت سے دل و دماغ تنور کی طرح گرم ہو جاتا ہو۔ دنیا کی کسی قوم کی شاعری ان جذبات میں عرب جاہلیۃ کا مقابلہ نہیں کر سکتی!

عربی میں قبیلہ، خاندان، نسل، و مسکان کی اس حد بندی کے اعتقاد اور اس کے غلو کو "عصبیت" سے تعبیر کرتے تھے۔ اس عصبیت کی پہلی بنیاد عربیت پر تھی، یعنے غیر عرب کے مقابلہ میں عرب کی فضیلت! اور اس کے بعد عربیت میں بھی ہر قبیلہ اپنے نسلی امتیاز کے غرور سے سرگراں تھا۔

عرب سے باہر بھی دنیا کا تمام آباد حصہ قبیلہ اور وطن سے زیادہ وسیع دائرہ کوئی نہیں رکھتا تھا۔ رومی تمدن نے رومن قومیت کی بنیادیں استوار کی تھیں، لیکن اس کی بنیاد بھی نسل اور وطن ہی پر تھی۔ سسلی کے حاکم نے جب ایک رومانی کو گرفتار کر کے دُرّوں سے پٹوایا تھا تو وہ اُسکی ہر ضرب پر چیختا تھا "میں رومانی ہوں" مشہور رومی خطیب سیسرو نے اس حاکم کے خلاف تقریر کرتے ہوئے کہا تھا "ایک رومانی قوم کے وسط میں لٹایا جاتا ہو اور دُرّوں سے پیٹا جاتا ہو۔ فقط تو درد و اذیت کی شکایت کرتا ہو، نہ دُہائی دیتا ہو۔ صرف اس جملہ کی تکرار کرتا ہو کہ میں رومانی ہوں! اے مجلس قضاۃ! اس مظلوم کو یقین تھا کہ میں اپنے آپ کو رومانی کہکر ساری تکلیفوں اور بے عزتیوں سے بچا لے سکتا ہوں۔ کیونکہ ابھی تھوڑے دن کی بات ہو کہ رومانی ہونا ہر انسان کے لئے حفاظت اور شرف کی سب سے بڑی ضمانت تھی"۔ یہ سیسرو کی قانونی تقریروں میں سب سے زیادہ فصیح تقریر تسلیم کی گئی ہو۔ سیسرو نے مقدمہ کے اسیر تو دردیا کہ وہ رومانی تھا۔ یہ نہیں کہا کہ انسان تھا۔ اُسے انسانیت کا نہیں، رومانیت کا استغراق تھا!

لیکن اسلام ان منزلوں میں رُک نہ سکا۔ اسنے اُن تمام رشتوں اور رشتوں کی بنیادوں سے انکار کر دیا جو انسان کے علم و نظر کی کوتاہیوں نے بنا رکھے تھے۔ وہ نسل، وطن، جنس، رنگ، زبان، کسی غیر حقیقی رشتے کو تسلیم نہ کر سکا۔ اُسنے انسان کو صرف ایک ہی رشتے کی دعوت دی۔ انسانیت اور انسانی برادری کے فطری رشتہ کی!

یا ایہا الناس! انا خلقناکم من ذکر و انثی و جعلناکم شعوبا و قبائل لتعارفوا، ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم، ان اللہ علیم خبیر (۴۹: ۱۳) "اے مجمع انسانی! ہمنے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہو، پھر ایسا کیا کہ تمہیں مختلف شاخوں اور قبیلوں کی صورت دے دی بہت سے گروہ ہوں اور ملکوں میں بکھر گئے۔ لیکن شاخوں اور قبیلوں کا یہ اختلاف صرف اس لئے ہوا تاکہ ایک گروہ سے دوسرا گروہ پہچانا جا سکے۔ باقی رہی یہ بات کہ انسان کے شرف و عزت کا معیار کیا ہو تو اُسکی بنیاد یہ طرح طرح کی گروہ بندیاں نہیں ہیں بلکہ انسان کی عملی زندگی ہو۔ اللہ کے حضور وہی سب سے زیادہ شریف ہو جو سب سے زیادہ اپنے کاموں میں پرہیزگار ہو"!

اس آیت کی ساری روح "لتعارفوا" کے لفظ میں ہو۔ اس لفظ نے اس حقیقت کا اعلان کر دیا کہ انسانوں کے گروہوں اور جماعتوں کے جسقدر بھی حلقے بنے ہیں، خواہ وہ نسل کی بنا پر بنے ہوں خواہ وطن و جنس کی بنا پر، ان کی ساری قدر و قیمت صرف اتنی ہو کہ باہم دگر پہچان کا ذریعہ ہیں۔ اس سے زیادہ کوئی اثر نہیں رکھتے۔ تمام کرۂ ارضی پر پھیلی ہوئی نسل انسانی کے لئے ضروری تھا کہ مختلف حصوں اور گروہوں میں منقسم ہو جائے اور جب منقسم ہو گئی تو ناگزیر ہوا کہ ایک گروہ کو دوسرے سے پہچاننے کے لئے کوئی ذریعۂ تعارف پیدا ہو جائے۔ یہ تمام حلقے تعارف کا ذریعہ ہیں۔ یہ افریقی ہو، یہ عربی ہو۔ یہ آرین ہو، یہ منگولین ہو۔ اس طرح ہر جماعت کی پہچان ہو جاتی ہو۔ لیکن اس تقسیم میں نہ تو کوئی امتیاز ہو، نہ یہ کوئی حقیقی تقسیم ہو۔ حقیقی امتیاز صرف ایک ہی ہو سکتا ہو، اور وہ انسان کی سعی و عمل کا امتیاز ہو۔

اب تمام نسل انسانی ایک سطح اور ایک صف میں کھڑی ہو گئی۔ حقیقت کسی کو بلندی نہیں دیتی، مگر اُس کو جو اپنے عمل سے شرف و رفعت کا استحقاق ثابت کر دے!

جو بڑھ کر خود اُٹھالے ہاتھ میں، مینا اُسی کا ہو!

رشتۂ انسانیت کی وحدۃ و اخوۃ کی طرف ان لفظوں میں اشارہ کر دیا کہ "خلقناکم من ذکر و انثیٰ"، تمام نوع انسانی ایک ہی نسل، ایک ہی خاندان، ایک ہی گھرانا ہو۔ پس جب تم حقیقت میں نسلی امتیاز سے ہٹ کر ایک ہی ہو۔ نہ وطن میں تفرقہ ہو کہ وطن کی بنا پر ایک ہی گروہ اور ہیں؟ تو پھر ان میں کا ایک گروہ دوسرے گروہ سے کیوں الگ ہو؟ کیوں ایک ہی خاندان اور ایک ہی گھرانے کے رشتہ دار ایک دوسرے سے کٹ کر غیر اور اجنبی بن جائیں؟

اس بارے میں اسلام کی بنیادی تصریحات اس درجہ مشہور و معلوم ہیں کہ یہاں اُن کے نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ مقصود صرف اشارہ ہو۔ منجملہ اُن قرآنی تصریحات کے جو انسانی وحدۃ کا اعلان کرتی ہیں، وہ تمام آیتیں ہیں جن میں ظاہر کیا گیا ہو کہ مجمع انسانی کی اصل وحدۃ تھی۔ تفرقہ گمراہی اور فطرۃ الٰہی سے دُوری کا نتیجہ ہو: وما کان الناس الا امۃ واحدۃ فاختلفوا، ولولا کلمۃ سبقت من ربک لقضی بینھم فیما فیہ یختلفون (۱۰: ۱۹)

اسلام کے داعی اول کی تعلیم اور عمل کا جو کچھ حال تھا، وہ بھی محتاج بیان نہیں۔ آپنے نسل و جنس کے غرور و تنگ نظری کو عصبیۃ جاہلیۃ سے تعبیر کیا اور بار بار اعلان کر دیا کہ "لیس منا من دعا الی العصبیۃ۔ لیس منا من قاتل علی العصبیۃ" یعنی وہ ہم میں سے نہیں جو نسل و قوم کی عصبیت کے تعصب پر دنیا سے جائے۔ وہ ہم میں سے نہیں جو نسل و قوم کے تعصب کی طرف دعوت دے۔ وہ ہم میں سے نہیں جو اس تعصب کی بنا پر کسی دوسری جماعت سے لڑائی لڑے۔ حجۃ الوداع یعنی آخر حج کے موقعہ پر جو آپ کی زندگی کا آخری حج تھا، آخری خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: "لا فضل لعربی علی عجمی، ولا لعجمی علی عربی۔ کلکم ابناء آدم" (مجمیں) لیس لاحد فضل علی احد الا بدین و تقوی۔ الناس کلھم بنو آدم و آدم من تراب" (رواہ الجامع) آج کے دن سے نسل و قومیت کے سارے امتیازات مٹ گئے۔ اب نہ کسی عرب کو عرب ہونے کی وجہ سے عجمی پر فضیلت ہو سکتی ہو، نہ عجمی کو عربی پر۔ فضیلت اسی کے لئے ہو جو اپنے عمل میں فضیلت رکھتا ہو۔ تمام انسان آدم کی اولاد ہیں، اور اس لئے سب ایک ہی نسل سے ہیں اور ایک ہی درجہ کے ہیں!

اسلام کی دعوت میں انسانی وحدت و اخوۃ کی حقیقت کو کس درجہ اہمیت حاصل تھی؟ اس کا اندازہ مندرجہ ذیل واقعہ سے ہو سکتا ہو۔ آنحضرت (صلعم) سے جو دعائیں پانچ وقت کی نمازوں میں ثابت ہیں، اُن میں سے ایک دعا یہ ہو۔ زید بن ارقم نامی ایک راوی کہتے ہیں کہ آپ ہر نماز کے بعد یہ دعا مانگتے تھے: (وکان رسول اللہ صلعم یقول فی دبر کل صلاۃ):

اللھم ربنا و رب کل شئ۔ انا شہید	"خدایا! ہمارا اور ساری کائنات
انک الرب وحدک لا شریک لک!	ہستی کا پروردگار! میں گواہ ہوں
اللھم ربنا و رب کل شئ، انا شہید	کہ صرف تو ہی پروردگار ہے
ان محمدا عبدک و رسولک! اللھم	تیرے سوا کوئی نہیں۔ خدایا! ہمارا
ربنا و رب کل شئ! انا شہید ان	اور ساری کائنات ہستی کا پروردگار
العباد کلھم اخوۃ (مسند امام احمد و ابوداؤد)	دگار! میں گواہ ہوں کہ محمد اس

سے زیادہ نہیں ہو کہ تیرا بندہ ہو اور تیرا رسول ہو! خدایا! ہمارا اور تمام کائنات ہستی کا پروردگار! میں گواہ ہوں کہ تیرے سارے بندے آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ انھوں نے کتنے ہی تفرقے پیدا کر رکھے ہوں لیکن تو نے اُن سب کو ایک ہی رشتۂ انسانیت میں جوڑ دیا ہو"!

غور کرو، اس دعا میں کیسے بعد دیگرے تین شہادتیں ہیں! پہلی پروردگار عالم کی توحید و ربوبیت کی ہو۔ دوسری رسول کی رسالت اور بندگی کی ہو۔ یہ دونوں شہادتیں اسلام کے دینی عقائد کی بنیاد اور اولین اصول ہیں۔ اب ان دو اہم ترین عقیدوں کی شہادت کے ساتھ ہی تیسری شہادت جس بات کی دی جا رہی ہو ضروری ہو کہ وہ بھی اسلام کے نقطۂ نگاہ سے اس درجہ اہم ہو کہ ان دونوں کے بعد تیسری جگہ پا سکے۔ وہ کیا ہو؟ "ان العباد کلھم اخوۃ"۔ خدایا! اگرچہ انسان نے تیری بنائی ہوئی انسانی برادری چھوڑ کر طرح طرح کی نئی برادریاں اور رشتے بنا رکھے ہیں، لیکن میں گواہی دیتا ہوں کہ جس طرح تیری وحدانیت اور تیرے رسول کی رسالت برحق ہو، اُسی طرح یہ بھی برحق ہو کہ سارے انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ انھوں نے جہل و مجوبیت سے کتنا ہی یہ مقدس رشتہ بھلا دیا ہو، لیکن یہ رشتہ حقیقی ہو اور قائم ہو!

داعی اسلام توحید اور رسالت کے بعد جس حقیقت کا اعلان عام کرنا چاہتا تھا، وہ انسان کی انسانی برادری تھی!

اس موقعہ پر یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے۔ کہ قرآن و اسلام

کی بولی میں " شہادت " کے لفظ کے ساتھ جب کسی عقیدے کا اظہار کیا جاتا ہو، تو اُس کی ایک خاص حیثیت ہوتی ہو۔ یہ موقعہ تفصیل کا نہیں۔ مختصراً یوں سمجھنا چاہئے کہ شہادت کے معنی گواہی دینے کے ہیں اور یہ اُسی وقت دی جا سکتی ہو جبکہ دو باتیں موجود ہوں:

ایک یہ کہ جس بات کی گواہی دی جائے، اُسپر گواہ کو پُورا پُورا یقین ہو۔ ایسا یقین جیسا اپنی آنکھ سے دیکھی بھالی چیز پر ہوتا ہو۔

دوسری یہ کہ وہ کوئی ایسی بات ہو جس کی سچائی اور حقیقت پوشیدہ ہو گئی ہو اور دنیا میں عام طور پر اسے جھٹلایا جا رہا ہو، اس لئے ضرورت ہو کہ اُسپر گواہی دیکر اُسے نمایاں اور عالم آشکارا کر دیا جائے۔ اگر ایسا نہیں ہو تو اُس کے لئے " شہادت " کا لفظ موزوں نہ ہوگا۔ اظہار خیال کے دوسرے الفاظ کافی ہونگے۔

یہی وجہ ہو کہ اسلام نے " شہادت " کے لفظ کے ساتھ جن جن امور کا اعلان کیا ہو، وہ تمام تر وہی ہیں جو عقائد و ایمان کی بنیادی سچائیاں ہیں اور جن کی حقیقت انسان کے جہل و گمراہی سے اس درجہ پوشیدہ ہو گئی تھی کہ اُنکے جھٹلانے پر تمام دنیا نے ایکا کر لیا تھا۔ ضرورت تھی کہ انکے لئے نوع انسانی کے دل و زبان سے از سر نو گواہی دلوائی جائے۔ تاکہ ایک طرف اُنکے یقین و اعتقاد کا اعلان ہو جائے، دوسری طرف اُنکے جھٹلانے کی تکذیب ہو جائے۔ پھر اس شہادت کے بھی مراتب اور اقسام ہیں لیکن ان کی تشریح کا یہ موقعہ نہیں۔

اب غور کرو کہ اس دعا میں جس طرح توحید اور رسالت کا اقرار لفظ " شہادت " کے ساتھ کیا گیا ہو، ٹھیک اُسی طرح انسانی برادری کی حقیقت پر بھی " شہادت " دی گئی ہو۔ اس سے تین باتیں واضح ہو گئیں:

اول یہ کہ اسلام کے نزدیک انسانی برادری کا قیام اس درجہ اہم تھا کہ اس کے اقرار کے لئے بھی " شہادت " کا لفظ اختیار کیا گیا جو اُسنے ایمان و عقائد کی بنیادی صداقتوں کے اقرار کے لئے مخصوص کر دیا ہو۔

دوسرے یہ کہ یہ ایک ایسی بات تھی جس کے لئے زیادہ سے زیادہ مضبوط یقین و ایمان مطلوب تھا۔ ایسا یقین جو ایک گواہ گواہی دیتے ہوئے کسی بات کی واقعیت پر رکھتا ہو۔

تیسرے یہ کہ یہ ایک ایسی حقیقت تھی جو ہر طرف جھٹلائی جا رہی تھی۔ اور چونکہ جھٹلائی جا رہی تھی، اس لئے ضرورت تھی کہ اُسپر " گواہی " دی جائے، اور اُس کی گواہی ہمیشہ کے لئے قائم کر دی جائے۔

انسان کی عالمگیر اخوت کی راہ میں سب سے بڑی روک چار چیزیں تھیں: نسل ۔ وطن ۔ رنگت ۔ زبان ۔ انہی چار امتیازات کی بنا پر الگ الگ حلقے بنائے گئے تھے، اور انسانیت کا ایک دائرہ بے شمار چھوٹے چھوٹے دائروں میں بٹ گیا تھا۔ اسلام نے نہ صرف ان چاروں سے انکار کیا، بلکہ انکے خلاف اس درجہ واضح اور قطعی اعلانات کر دیئے کہ کسی طرح کے شک و شبہ کی گنجائش باقی نہ رہی۔ " نسل " کی نسبت صاف صاف کہدیا کہ سب کی نسل ایک ہی ہو۔ " وطن " کی نسبت کہدیا کہ عرب ہو یا عجم، سب ایک ہی خدا کی زمین کے باشندے ہیں۔ " زبان " اور " رنگت " کی نسبت فیصلہ کر دیا کہ یہ خدا کی حکمت و قدرت کی نشانیاں ہیں۔ کسی جگہ کی آب و ہوا ایک رنگ پیدا کرتی ہو۔ کہیں کی آب ہوا دوسرا رنگ۔ کہیں ایک خاص طرح کی زبان ادائے مطلب کے لئے وجود میں آگئی، کہیں دوسری زبان۔ لیکن یہ اختلافات انسان کے امتیاز اور تفرقہ کی بنیادیں نہیں ہیں۔

پھر اس کے ساتھ ہی اُسنے اپنے اعمال کا جو نظام طیار کیا، اُس کے ہر گوشہ کی وضع و قطع ایسی رکھی جس کے ساتھ امتیاز نسل و قوم جمع ہی نہیں ہو سکتا۔ روزانہ اعمال و عبادات میں ایسی چیزیں رکھ دی گئیں کہ ہمیشہ انسانی وحدت و مساوات کا عملی اعتراف ہوتا رہے۔ نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، سب میں یہ روح کام کر رہی ہو۔ انسانی اخوۃ کے قیام و نفوذ کا ایک پُورا نظام ہو جو اپنے ہر فرد کو مجبور کر دیتا ہو کہ اس حقیقت کا اقرار کرے، اُس کے سامنے سر اطاعت خم کر دے، اس کے یقین و ایمان کی عملی تصویر بنجائے!

اس بارے میں بے شمار چیزیں کھولنے اور بیان کرنے کی ہیں لیکن یہاں یہ ذکر ضمناً آگیا ہو، اس لئے صرف اشارات پر اکتفا کیا گیا۔

اسلام کو اپنی اس دعوت میں کہاں تک کامیابی ہوئی؟ انسانی برادری کا گم گشتہ حلقہ قائم ہو گیا یا نہیں؟ اس کا مفصل بیان آگے آئے گا۔ لیکن تاریخ اور مشاہدہ کا یہ فیصلہ تو بلا نزاع مسلم ہو کہ:

(۱) عرب کی نسلی اور وطنی عصبیت پر ایسی کاری ضرب لگی کہ پھر سر نہ اُٹھا سکی۔

(۲) عرب سے باہر وہ جہاں جہاں پہنچا، ایک ایسی انسانی اخوۃ کی دعوت جو وطنی اور نسلی امتیازات سے بالاتر تھی، اُس کے ساتھ ساتھ گئی۔ آٹھویں صدی عیسوی میں جب یورپ کی اجتماعی زندگی " عائلہ " اور " قبیلہ " کی سرحد سے آگے نہیں بڑھی تھی، اسلام اسپین اور فرانس میں انسانی اخوۃ کا پیغام سنا رہا تھا!

(۳) اُسنے ایک ایسا عالمگیر معاشرتی نظام قائم کر دیا جو ہر طرح کے نسلی و وطنی تعصبات سے بالاتر ہو، اور جس کی بنیاد انسانی اخوۃ اور وحدۃ پر ہو۔

(۴) قرون وسطی (ڈارک ایجز) کے بعد یورپ میں تمدن کا نیا دور شروع ہوا، اور اسنے قومیت و جنسیت کا صور اس زور سے پھونکا کہ تمام دنیا اس کی صدائے بازگشت سے گونج اٹھی۔ اب " انسانیۃ " کی راہ میں جنسیت و قومیت کی کڑی حائل ہو گئی ہو لیکن اسلام نے اب سے تیرہ سو برس پہلے یہ تمام کڑیاں توڑ دی تھیں۔

(۵) اگر کہا جائے کہ اسلام کی دعوت سے بھی انسانیت کا عام حلقہ پیدا نہ ہو سکا۔ بلکہ " اسلامیت " کا ایک نیا حلقہ بن گیا، تو یہ صحیح ہو لیکن چند حقیقتیں تسلیم کرنی پڑیں گی:

اولاً یہ قصور زمانے کی استعداد کا ہو نہ کہ اسلام کی دعوت کا۔ مختلف وجوہ سے جن کی تشریح آگے آئے گی دنیا کو منزل انسانیت تک پہنچنے کے لئے ابھی بڑا وقت درکار تھا۔

ثانیاً اگرچہ " اسلامیت " کا ایک نیا حلقہ پیدا ہو گیا مگر کیسا وسیع حلقہ؟ ایسا وسیع حلقہ کہ اسوقت تک کے تمام اجتماعی حلقوں میں سب سے زیادہ وسیع حلقہ وہی ہو۔ بلاشبہ وہ بھی ایک چار دیواری کھینچ دینے پر مجبور ہو گیا، لیکن کیسی چار دیواری؟ اس درجہ وسیع چار دیواری کہ دنیا کے تمام پچھلے حلقے اُس کے پھیلاؤ کے اندر آگئے۔ اُسنے کسی گوشے، کسی دائرہ کسی ہیئت اجتماعیہ (سوسائٹی) کو بھی اپنی چار دیواری سے باہر رہنے نہیں دیا۔ اس اعتبار سے کہا جا سکتا ہو کہ کم از کم اسلام کی دعوت نے انسانی اجتماع کا ایک ایسا دائرہ پیدا کر دیا جو نوع انسانی کے تمام پچھلے دائروں سے اوپر اور صرف ایک ہی دائرہ مطلقہ انسانیۃ سے نیچے ہو۔ وہ انسان کو تمام پچھلے درجوں سے بلند کر کے ایک ایسی سطح تک پہونچا دیتا ہو جہاں سے " انسانیت " کی آخری بلندی صرف ایک درجہ بلند ہو۔ وہ قدم اُس سطح تک پہنچا دیتا ہو جہاں سے صرف ایک قدم آگے بڑھنا رہجاتا ہو۔ حالانکہ دنیا کی تمام قوموں کے لئے منزلوں کی منزلیں باقی ہیں!

اس اعتبار سے اگر رشتۂ اجتماع کی تمام کڑیوں پر نظر ڈالی جائے، تو اُن میں ایک نئی کڑی سابق کڑیوں کے اوپر مگر آخری " انسانیۃ واضحۃ " سے نیچے بڑھا دینی پڑے۔ اور اس سلسلۂ ارتقا کی نو منزلوں کی جگہ دس منزلیں ہو گی:

(۱) اموۃ
(۲) ابوۃ
(۳) عائلہ
(۴) قبیلہ
(۵) بلدیۃ
(۶) وطنیۃ
(۷) قومیت و جنسیت
(۸) براعظمیت یا تقسیم بہ لحاظ جغرافیہ
(۹) اسلامیت
(۱۰) انسانیۃ واضحۃ

" اسلامیت " کی سرحد " انسانیۃ " کی سرحد سے ملی ہوئی ہو۔ اگر دنیا چاہے تو صرف ایک قدم میں منزل مقصود تک جا سکتی ہو!

لیکن کیا دنیا میں اُسکی طلب موجود ہو؟ اس کے لئے ہمیں دوسری مجلس کا انتظار کرنا چاہئے۔

دُنیا کی بہترین فونٹین پنسل
امریکن کارخانہ " شیفر "
کی
" لائف ٹائم " پنسل ہو
اسلئے کہ
(۱) " لائف ٹائم " لینے عمر بھر کے لئے کافی ہو۔
(۲) اُس کا خول اسقدر خوشنا اور دیدہ زیب ہو کہ دنیا کی کوئی پنسل خوبصورتی میں اُس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔
(۳) ارزانی میں بھی تمام قسموں کی پنسلوں کا مقابلہ کرتی ہو۔
یاد رکھئے
آپکو " لائف ٹائم " پنسل خریدنی ہو!

عالم مطبوعات و صحائف

اس باب سے مقصود یہ ہے کہ اس کے نیچے وہ تمام مفید اور دلچسپ معلومات جمع کی جاسکیں جو مشرق و مغرب کی مطبوعات و صحائف سے اخذ کی جاسکتی ہیں۔ "صحائف" کے ساتھ "مطبوعات" کا لفظ اس لئے بڑھایا گیا ہے تاکہ اخبارات و رسائل کے علاوہ ہر قسم کی مطبوعہ چیزیں بھی اس کے دائرۂ نظر میں آجائیں۔ ہر ہفتہ دنیا کے مختلف حصوں میں ایک بڑی تعداد کتابوں کی شائع ہوتی رہتی ہے۔ ان کا بڑا حصہ ایسا ہوتا ہے جو یا تو بآسانی میسر آجاتا ہے یا کم از کم علمی اخبارات و رسائل کے ذریعہ انکے ضروری مطالب و فوائد معلوم ہوجاتے ہیں۔ اس عنوان کے نیچے اُن کا تذکرہ کیا جاسکے گا، ضروری مطالب اخذ و نقل کئے جاسکیں گے، اور بعض حالتوں میں مختصراً نقد و تبصرہ بھی ہوجائے گا۔

اخبارات و رسائل کا یہ حال ہے کہ اگر تمام زبانوں کے اخبارات میں سے صرف انگریزی، عربی، اور ترکی زبان کے اخبارات ہی چن لئے جائیں، اور ان میں سے بھی صرف وہی لئے جائیں جو نہایت وقیع درجہ کے ہیں، جب بھی ان کی تعداد اتنی بڑی ہوگی کہ نہ تو بآسانی خریدی جاسکتی ہے، نہ ہر شخص اپنے اوقات فراغ میں اُن سب کا مطالعہ کرسکتا ہے۔ اس لئے علم و اطلاع کا بہتر و سہل ذریعہ یہی ہے کہ اُن کا خلاصہ نظر سے گزرتا رہے۔ ہر اخبار میں خواہ وہ کتنا ہی اعلیٰ درجہ کا کیوں نہ ہو کام کی چیزیں چند ہی ہوتی ہیں اور بآسانی چن لی جاسکتی ہیں۔ یہی حال کتابوں کا ہے۔ یورپ کی زبانوں میں متعدد رسائل کا موضوع یہی ہے۔ اور وہ پریس نے ابھی تقسیم عمل کے اس درجہ تک کہاں ترقی کی ہے کہ اس قسم کے پرچے شائع ہوں؟ البتہ یہ ممکن ہے کہ چند صفحات اس کے لئے مخصوص کردئے جائیں۔ الہلال میں یہ باب اسی غرض سے قرار دیا گیا ہے۔

اس باب کی اہمیت اور نفع کا اندازہ شاید فوراً نہ ہوسکے۔ خصوصاً اس وجہ سے کہ اس نمبر میں بہت کم جگہ اس کے لئے نکل سکی۔ لیکن اگر چند ہفتوں تک یہ سلسلہ جاری رہا تو آپ محسوس کریں گے کہ یہ کس درجہ مفید اور دلچسپ چیز ہے؟ الہلال کے ان چند صفحات کا مطالعہ کرلینا مغرب و مشرق کی مطبوعات کے تمام وقیع ذخیرہ کا مطالعہ ہوگا۔

الہلال کے ان چند کالموں کے لکھنے کے لئے جس محنت و صرفہ کی ضرورت ہے، مشکل ہے کہ آپ اُس کا اندازہ لگا سکیں۔ جو چیز ہفتہ بھر کی لگاتار محنت و کاوش کے بعد لکھی جائے گی، وہ زیادہ سے زیادہ پندرہ بیس منٹ کے اندر آپ پڑھ لیں گے۔ ممکن ہے مطالب کی دلچسپی آپ کو اتنا وقت بھی محسوس نہ ہونے دے۔ تاہم اس واقعہ سے آپ کو بے خبر نہیں رہنا چاہیے کہ سیکڑوں روپیہ کے صرف اور ایک اہل قلم کے پورے سات دن کی محنت سے یہ چند کالم تیار کئے جاتے ہیں۔ بسا اوقات اس کی صرف ایک سطر لکھنے کے لئے ضرورت ہوگی کہ کئی کئی سو صفحوں کی کتاب یا اخبارات و رسائل اوّل سے لیکر آخر تک پڑھ ڈالے جائیں، اور بعض اوقات تو ایسا ہوگا کہ صفحوں کے صفحے پڑھ کر رکھ دینے پڑینگے اور ایک سطر بھی میسر نہ آئے گی!

اسوقت دفتر الہلال میں مغرب و مشرق کے وقیع اخبارات و رسائل کا بہت بڑا ذخیرہ ہفتہ وار آتا ہے۔ انگریزی، فرانسیسی، طلیانی، جرمن، اسپینی، عربی، ترکی، فارسی، اور جاپانی زبان کے روزنامہ، سہ روزہ، ہفتہ وار، ماہوار، سہ ماہی، ہر قسم کے اخبار و رسائل مہیا کئے گئے ہیں۔ طلیانی اور اسپینی زبانوں کے سوا باقی تمام زبانوں کے مطالعہ اور اخذ و ترجمہ کا انتظام موجود ہے۔ اور اُمید ہے کہ بہت جلد ان دو زبانوں کے مطالعہ کا بھی انتظام ہوجائے گا۔ یہی حال نئی کتابوں کا ہے۔ شاید ہی کوئی ہفتہ اس سے خالی جاتا ہو کہ نئی مطبوعات کا دفتر ذخیرہ یہاں نہ پہنچتا ہو۔ ہم کوشش کرینگے کہ حتی الوسع اس تمام ذخیرہ کا بہترین خلاصہ ہر ہفتہ درج کردیا کریں۔

یہ واضح رہے کہ "عالم مطبوعات و صحائف" کا باب "مطبوعات جدیدہ" سے مختلف ہے۔ "مطبوعات جدیدہ" کا عنوان اس لئے رکھا گیا ہے تاکہ ارکان کتابوں پر نقد و تبصرہ کیا جائے، یا اگر کسی خاص کتاب کا کوئی اہم حصہ قابل اشاعت ہو تو اسے بجنسہ نقل کرلیا جائے، لیکن عالم مطبوعات و صحائف کا دائرۂ نظر عام و وسیع ہے۔ اسمیں ہر طرح کی مطبوعات سے ہر طرح کی ضروری معلومات منتخب کرکے جمع کی جائیں گی۔

تاریخ کبیر ذہبی

تاریخ اسلام کے عہد متاخرین میں امام شمس الدین الذہبی (المتوفی [illegible]ھ) کو علم و تصنیف کا جو درجہ حاصل ہے وہ اہل نظر سے مخفی نہیں۔ اُن کا عہد آئمۂ فن کا عہد تھا تاہم جو قبولیت و شہرت اُن کی مصنفات کو حاصل ہوئی، اُس سے اُن کے بڑے بڑے معاصر حتی کہ شیوخ و اساتذہ بھی محروم ہیں۔ اُنکی مصنفات میں ایک بڑا حصہ تاریخ و رجال کا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اب تک میزان الاعتدال کے سوا (جسے سب سے پہلے ہندوستان کے ایک عالم مولانا عبد الحئی مرحوم فرنگی محلی نے چھپوا کر شائع کیا) اُن کی کوئی مطول کتاب شائع نہ ہوسکی۔

تاریخ میں ان کی سب سے بڑی کتاب "تاریخ الاسلام و طبقات المشاہیر الاسلام" ہے جو تاریخ کبیر ذہبی کے نام سے مشہور ہے۔ آٹھویں صدی ہجری کے بعد اسلام کی جسقدر تاریخیں لکھی گئیں، سب کی سب اس سے ماخوذ ہیں۔ کوئی متاخر مؤرخ ایسا نہیں جو اس کا حوالہ نہ دیتا ہو۔ اس کے مختلف نسخے دنیا کے مختلف کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں لیکن تمام ناقص ہیں۔ بدقسمتی سے کسی ایک مقام پر بھی کوئی مکمل نسخہ موجود نہیں۔

یورپ کے مستشرقین اور مستشرق جماعتوں کا ایک خاص طریق کار یہ ہے کہ وہ جب کوئی خاص کتاب شائع کرنی چاہتے ہیں تو پہلے اُس کے تمام موجودہ نسخوں کی ایک یادداشت طیار کرلیتے ہیں۔ یہ یادداشت نہایت قیمتی ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوجاتا ہے کہ دنیا کے مختلف مقامات میں اس کے کون کون سے نسخے موجود ہیں، اور کیونکر اُن سب سے اس کا ایک مکمل اور صحیح نسخہ مرتب کیا جاسکتا ہے؟ سنہ ۱۸۹۹ء میں ہالینڈ کے مشہور مستشرق پروفیسر دی گوئے de Goeje نے ایک یادداشت اس کتاب پر شائع کی تھی۔ اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی پہلی اور پانچویں جلد پیرس کے قومی کتب خانہ میں موجود ہے۔ دوسری اور چوتھی آکسفورڈ میں ہے۔ تیسری روم اور قاہرہ میں ہے۔ چھٹی، ساتویں، اور آٹھویں برٹش میوزیم کے کتب خانہ میں ہے۔ نویں سے لے کر بارہویں جلد تک قسطنطنیہ کے کتب خانہ ایا صوفیہ میں موجود ہیں لیکن ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے اکثر جلدیں ناقص ہیں اور جب تک اُنکے ناقص اجزاء کے مقابلہ میں دوسرے نسخوں سے کامل اجزاء نہ مل جائیں مکمل نسخہ کی ترتیب مشکل ہے۔ اس یادداشت میں ان اجزاء کا بھی حال درج تھا، اور امید کی گئی تھی کہ مکمل نسخہ مرتب ہوجائیگا۔

ہندوستان میں بھی اس کے نسخے جابجا پائے جاتے ہیں مگر مکمل نسخہ کہیں نہیں ہے۔ رامپور کے کتب خانے میں تین جلدیں ہیں۔ لکھنؤ کے کتب خانۂ مولانا حامد حسین مرحوم میں بھی تین ہیں۔ بانکی پور میں ایک جلد ہے۔ مولانا ابو الکلام . . . کے کتب خانہ میں دو جلدیں ہیں دوسری اور چوتھی۔ غالباً حیدر آباد میں بھی بعض جلدیں پائی جاتی ہیں۔

اصل کتاب کی ایک کتابت میں بارہ جلدیں ہیں اور ایک میں تیرہ۔ مصنف نے ابتداء اسلام سے اپنے عہد تک یعنے ساتویں صدی ہجری تک کے حالات و تراجم جمع کرنے کا التزام کیا تھا۔ ترتیب یہ اختیار کی ہے کہ پوری مدت ستر بابوں میں منقسم ہے یعنی ہر بیس برس کے لئے ایک باب ہے۔ ہر باب میں پہلے وقائع و حوادث بترتیب سنین جمع کئے ہیں۔ پھر وفیات و تراجم بترتیب حروف تہجی بیان کئے ہیں۔ دوسری اور چوتھی جلد جو مولانا کے کتب خانہ میں موجود ہیں، ان میں [illegible]ھ سے [illegible]ھ تک کے، اور [illegible]ھ سے [illegible]ھ تک کے حالات ہیں۔

دنیا اس کتاب کی اشاعت سے مایوس ہوچکی تھی۔ لیکن اب شائقین علم یہ سنکر نہایت خوش ہونگے کہ نہ صرف اس کا مکمل نسخہ مرتب کرلیا گیا ہے، بلکہ اُس کی طباعت کا کام بھی شروع ہوگیا ہے۔ چنانچہ جرمنی سے پروفیسر ہارٹمن لکھتے ہیں کہ تاریخ کا مکمل نسخہ جو گذشتہ پندرہ سال سے زیر تصحیح و تکمیل تھا اب مکمل ہوگیا ہے۔ اور پہلی جلد کی چھپائی بھی شروع ہوگئی ہے۔

پروفیسر موصوف کا یہ خط مولانا ابو الکلام کے نام آیا ہے جن سے اُن کی خط و کتابت سنہ ۱۹۱۲ء سے جاری ہے۔ اسمیں انھوں نے مولانا کے کتب خانہ کی دونوں جلدیں طلب کی ہیں، اور اس کام کی نہایت دلچسپ تاریخ بھی بیان کی ہے تاکہ الہلال میں شائع کی جائے۔ پروفیسر موصوف یورپ کے اُن مشاہیر اہل علم میں سے ہیں جنھوں نے ازراہ عنایت الہلال کے لئے تحریر مقالات کا وعدہ فرمایا تھا۔ ہم آیندہ اُن کی تحریر کا ترجمہ بسلسلۂ مقالات شائع کرینگے۔

پریم

A. Tale of Modern India

مندرجۂ صدر نام سے مسٹر ایچ۔ کے۔ گورڈن نے ایک ناول لکھا ہے جو پچھلی ڈاک کی نئی کتابوں میں ہمارے پاس پہونچا ہے۔ اس میں پنجاب کی دیہاتی زندگی کی ایک دلچسپ داستان بیان کی گئی ہے، اور مصنف کا بیان ہے کہ یہ داستان نہیں ہے ایک سچی سرگزشت ہے۔ سر مائیکل اوڈوائر (سابق گورنر پنجاب) نے اسپر دیباچہ لکھا ہے اور یہ رائے قائم کی ہے کہ "زمانۂ حال کی ہندوستانی زندگی کے مسائل سمجھنے میں یہ سرگزشت بہت مدد دے گی"

اس افسانہ میں اگرچہ متعدد سیرتیں (کیریکٹرز) دکھائی گئی ہیں لیکن دو سیرتیں خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ ایک تو خود "پریم" کی جو اپنی کاشتکاری کی پرصعوبت زندگی شروع کرتا ہے

دوسری سیٹھ بدری پرشاد کی جو وہاں کے الکان آراضی میں سے ہے اور ہندوستان کی زمینداراانہ خصائل کا کامل نمونہ ہے۔ مصنف کے قلم کو "پریم" سے زیادہ بدری پرشاد کی تصویر کھینچنے میں کامیابی ہوئی ہے۔

یہ کہنا ضروری نہیں کہ ہندوستانی زندگی کے جس افسانہ پر سر اڈورڈ دائر کے قلم سے دیباچہ نکلے گا، سیاسی حیثیت سے اُسکی روح کیا ہوگی؟ افسانہ کا معاشرتی ماحصل جو کچھ بھی ہو، لیکن سیاسی ماحصل یہ ہے کہ ہندوستان کی اصلی آبادی دیہات کی آبادی ہے۔ اُس کے حقیقی اور عملی مسائل اقتصادی اور زرعی ہیں۔ اُسکو سیاسی ضرورت اُنہی کے حل اور اصلاح کی ہے۔ سیاسی نظام کی ترقی نہ تو ضروری ہے نہ سود مند!

قصہ کوتہ گشت ورنہ دردِ سر بسیار بود!

آشور اور بابل کی نئی تاریخ

Ancient Records of Assyria And Babylonia

آشور (اسیریا) اور بابل کا مابین النہرین تمدن، تاریخ قدیم کی وہ عجیب داستان ہے جو صرف ہزاروں برس پہلے کے کھنڈر اور زیر زمیں اینٹوں ہی کی زبانی سنی جاسکتی ہے۔ قلم وکتابت کے ذریعہ بہت کم صدائیں ہم تک پہنچی ہیں۔ علمائِ آثار نے اس عہد کے آثار سے بہت کچھ ذخیرۂ علم حاصل کرلیا ہے۔ یہ اب تاریخ کی ایک مستقل شاخ ہوگئی ہے۔ تاہم بحث وتحقیق کا سلسلہ جاری ہے۔

حال میں شکاگو یونیورسٹی (امریکہ) کے ایک پروفیسر مسٹر ڈی۔ ڈی لکنبل (D. D. Luckenbill) نے اس موضوع پر دو جلدوں میں ایک کتاب لکھی ہے جو پچھلے ماہ شائع ہوگئی۔ اسمیں کوشش کی ہے کہ جس قدر بھی معلومات آثار قدیمہ کے ذریعہ حاصل ہوئی ہیں، وہ سب تاریخی ترتیب کے ساتھ جمع کردیجائیں۔ تاریخ کی ابتدا اُس زمانہ سے کی ہے جو تاریخ کی ابتدائی روشنی کا زمانہ ہے، اور ختم اُس عہد پر کیا ہے جب سرزمین نینوا تباہ ہوجاتی ہے۔ مصنف نے دیباچہ میں تصریح کی ہے کہ:

"اس تاریخ کا تمام تر دارومدار آثار قدیمہ ہے۔ آثار سے جو معلومات حاصل کی جاتی ہیں وہ بہت حد تک ایک خاص طریق استدلال پر مبنی ہوتی ہیں۔ اگر اس طریق استدلال کے مقدمات میں سے ایک مقدمہ بھی غلط ثابت ہوجائے تو نتائج کا بہت بڑا سلسلہ نظر انداز کردینے کے قابل ہوجائے گا۔ اس لئے میں نے کوشش کی ہے کہ حتی الامکان استدلالی طریقہ کی جگہ استنباط واستخراج کے سادہ طریقہ پر قناعت کروں لیکن یہ ہر جگہ کام نہیں دے سکتا تھا۔ بعض مقامات ایسے ہیں کہ استدلال کے بغیر قدم بڑھایا ہی نہیں جاسکتا۔ ایسے موقعوں پر طریق استدلال کام میں لایا گیا ہے مگر یہ احتیاط کرلی ہے کہ اول تو صرف مستند علمائِ آثار کے بیانات پر قناعت کرلی جائے۔ ثانیاً حتی الوسع استدلال میں بھی قریبی اور صاف استدلال سے نکالے ہوئے نتائج لئے جائیں۔"

قدیم ہندوستان میں سانپ کی حیثیت

Indian Serpent-Lore are The Nagas in Hindou Legend

ڈاکٹر جے۔ دوجل Vogel نے مندرجہ صدر نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ ہندوؤں کے علم الاصنام میں سانپ کے وجود نے کیوں اہمیت حاصل کرلی؟ اور کس طرح اس کی پرستش کا رواج ہوا؟ اس کتاب میں اس سوال کو حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ مصنف نے پہلے ہندوستان میں سانپوں کی کثرت اور انکے اثرات پر بحث کی ہے۔ پھر "ناگ" اور اس کے تخیل پر نظر ڈالی ہے اور اس سلسلہ میں وہ تمام افسانے بھی درج کردئیے ہیں جن کا تعلق ناگ بادشاہوں اور ناگ کی قوم سے ہے۔

کتاب بہ حیثیت مجموعی دلچسپ ہے اگرچہ تحقیقات کا پایہ بلند نہیں ہے۔ ہم اس کے بعض حصوں کا ترجمہ آئندہ شایع کریں گے

تجہیز وتکفین کی فضول خرچیاں

Funeral Customs: Their Origin and Development

مسٹر بی۔ اس۔ پکل Puckle نے یہ کتاب اس غرض سے لکھی ہے کہ مسیحی رسوم کے مطابق تجہیز وتکفین کے جو طریقے یورپ میں رائج ہیں، ان پر تاریخ وفلسفہ کے نقطۂ خیال سے نظر ڈالی جائے، اور اقتصادی حیثیت سے اُنکا مسرفانہ پہلو بھی واضح کیا جائے۔ کتاب کا موضوع اگرچہ صرف یورپ کی زندگی سے تعلق رکھتا ہے لیکن تجہیز وتکفین کا مسئلہ عام ہے، اس لئے جا بجا نہایت دلچسپ اور مفید مباحث آگئے ہیں۔ یہ کیا بات ہے کہ موت جو زندگی کا خاتمہ اور حسرت وماتم کا پیغام ہے، اُس ساز وسامان سے علیحدہ نہ ہوسکی جو انسان نے زندگی کی شان وشوکت اور ہنگامہ آرائیوں کے لئے اختیار کئے تھے؟ وحشی قوموں سے لے کر موجودہ عہد کی متمدن قوموں تک، کوئی بھی اسپر راضی نہیں ہوتا کہ موت کا مرحلہ محض خاموشی وغمگینی کے ساتھ طے کرلے؟ مصنف اس کے جواب میں چار سبب بتلاتا ہے:

(۱) یہ قدیم اور عالمگیر اعتقاد کہ بعض رسوم کی ادائگی پر میت کی آئندہ عافیت موقوف ہے۔

(۲) اگر میت کے ساتھ انصاف اور فیاضی ملحوظ نہ رکھی گئی تو وہ زندوں کو ستانے لگے گا۔

(۳) رائے عامہ جسے حق حاصل ہے کہ جنازوں کی شان وشوکت یا سادگی وبے وقعتی پر اظہار خیال کرے۔

(۴) میت کے عزیزوں قریبوں کے دماغ کی وہ عاوضہ حالت جو کچھ عرصہ کے لئے دنیا اور دنیا کے تمام مصالح وفوائد سے بے پروا ہوجاتی ہے اور فضول خرچی کی مضرتوں کا احساس باقی نہیں رہتا۔

لوزان کی آئندہ مسیحی کانفرنس

معلوم نہیں قارئین الہلال کو اُس کانفرنس کا حال معلوم ہے یا نہیں جو ۱۹۱۰ء میں اس لئے قائم کی گئی تھی تاکہ تمام مسیحی ممالک کے مذہبی عقائد ونظام کی وحدت ویک جہتی کے لئے مسلسل کوشش شروع کی جائے؟ یہ کانفرنس لوزان میں منعقد ہوئی تھی جس کا نام ترکی معاہدۂ صلح کے سلسلہ میں کافی شہرت حاصل کرچکا ہے۔ اب آئندہ اگست میں اس کا دوسرا اجلاس منعقد ہوگا۔ پچھلی ڈاک کے تمام اخبارات اس کے تذکرہ سے لبریز ہیں۔

یہ مسیحی مذہب کا حال ہے جسنے اول دن سے اصول وعقائد کے تفرقہ میں پرورش پائی تھی۔ لیکن اسلام کی بنیاد اس حالت میں پڑی کہ کلیسا اور کلیسا کے اختلافات کے لئے کوئی جگہ ہی نہیں رکھی گئی تھی۔ پھر کیا مسلمانوں کے لئے اسمیں کوئی عبرت نہیں ہوگی؟ کاش ہندوستان میں بھی کسی "لوزان" کی صدا بلند ہو!

ٹرکی کی جدید مردم شماری

ترکی حکومت نے نئی مردم شماری کا انتظام کیا ہے۔ اس سلسلہ میں اخبار نیر ایسٹ لندن نے لکھا تھا کہ "ٹرکی حکومت کی جانب سے بار بار ظاہر کیا گیا ہے کہ اُس کی موجودہ آبادی ساڑھے تیرہ ملین (ایک کروڑ پینتیس لاکھ) سے کم نہیں ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس سے بہت کم ہے" اسپر مطلب بے نے جو موجودہ ترکی حکومت میں دیوانی امور کے ڈائرکٹر جنرل ہیں، ایک بیان شائع کیا ہے اور نیر ایسٹ کی تغلیط کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ "یہ تخمینہ تمام سرکاری کاغذات سے ثابت شدہ ہے، اور بہت ممکن ہے کہ آئندہ مردم شماری میں اس سے بھی زیادہ تعداد ثابت ہو"۔

آزادی پر دنیا کی نئی نظر

مئی کے کنٹم پریری ریویو میں سر ہربرٹ سیموئل نے ایک مطول مقالہ "لبرٹی" (آزادی) کے عنوان سے لکھا ہے۔ انگلستان کے درمیانی طبقہ کا زاویۂ نگاہ معلوم کرنے کے لئے یہ ایک نہایت مفید تحریر ہے۔ یہ نہ تو اس میدان میں زیادہ دور تک بڑھنا چاہتی ہے۔ نہ اسپر قانع ہے کہ قدم نہ اُٹھائے۔ پڑھنے والا محسوس کرتا ہے کہ اُسے ایک درمیانی جگہ مل گئی ہے۔

مقالہ نگار نے آزادی کی وہی پانچ قسمیں کی ہیں جو آجکل عام طور پر کی جاتی ہیں:

(۱) شخصی
(۲) دماغی
(۳) سیاسی
(۴) اقتصادی
(۵) قومی

پھر بتلایا ہے کہ ان میں سے ہر آزادی کا ایک حلقہ ہے۔ لیکن مشکل یہ پیش آجاتی ہے کہ ہر حلقہ دوسرے حلقہ سے متناقض ہو جاتا ہے۔ مجبوراً ان سب میں اتنی کمی بیشی کردینی پڑتی ہے کہ مجموعی حالت میں اعتدال پیدا ہوجائے۔ کبھی شخصی آزادی گھٹا دی جاتی ہے تاکہ سیاسی آزادی کو صدمہ نہ پہنچے۔ کبھی سیاسی آزادی محدود کردی جاتی ہے تاکہ شخصی آزادی کا درجہ گھٹ نہ جائے۔ ان تمام حلقوں کے ایسے حدود قائم ہوجانا جو باہمدگر موافق و مطابق ہوں، دنیا کی علمی مشکلات میں سے سب سے بڑی مشکل ہے۔ جس دن ہم یہ مشکل حل کرلینگے، آزادی کا علمی عقدہ بھی حل ہوجائے گا۔

جدید روس کا جدید تمدن

اسی رسالہ میں مسٹر سی۔ ایچ ہر فورڈ کا ایک نہایت دلچسپ مقالہ "بالشوزم کی تہذیب" پر نکلا ہے۔ مسٹر موصوف لکھتے ہیں:

"بالشوسٹ روس کو ہم اسوقت تک صرف تعصب ہی کی عینک میں سے دیکھتے رہے ہیں لیکن یہ حالت کب تک باقی رہے گی؟ کب تک حقیقت سے زیادہ ہمیں اپنے متعصبانہ جذبات کا پاس رہے گا؟ روس کے اس انقلاب کو ہم: ... کا تنزل

بتلاتے ہیں، لیکن واقعہ یہ ہو کہ وہ طرح طرح کے تمدنی اور تعلیمی ترقیات کے مدارج پورے سرعت کے ساتھ طے کر رہا ہو۔ وقت آ گیا ہو کہ ہم ہر طرح کے تعصبات سے الگ ہو کر اعتدال فکر کے ساتھ روسی انقلاب کا مطالعہ کریں"

ترک اور نسل ابراہیمی

پچھلے دنوں پروفیسر حقی بے نے جو جامعۂ قسطنطنیہ میں اسلامی تاریخ کے مدرس ہیں، ایک عجیب نظریہ اخبارات میں شائع کیا تھا۔ ماحصل اس کا یہ تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نسل سے تھے جو ترکوں کی نسل ہو۔ نظریہ کے اثبات میں تورات، قرآن، اور علم الاقوام سے دلائل پیش کرنے کی کوشش کی تھی، لیکن جتنی باتیں ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر نکالی گئی تھیں، اُن میں کوئی بھی ایسی نہ تھی جو اہل علم کے لئے قابل التفات ہو۔ خصوصاً قرآن سے استدلال تو نہ صرف غیر مفید بلکہ عدم فہم و تدبر پر مبنی تھا۔

پچھلی ڈاک کے ترکی اخبارات میں پھر یہ بحث چھڑ گئی ہو توحید افکار میں ایک اہل قلم نے طول طویل مضمون لکھا ہو، وقت کے مقالہ نگار نے اُس کے رد پر زور قلم صرف کر دیا ہو۔ توحید افکار کا مضمون حقی بک کی تائید میں ہو۔ وقت کا مضمون تغلیط میں۔ ضمناً یہ بحث بھی چھڑ گئی ہو کہ قدیم تقسیم اقوام کی بنا پر منگولین نسل کا ایک حلقہ قرار دیا گیا ہو۔ لیکن یہ کہاں تک نکتہ چینیوں سے محفوظ ہو؟ توحید افکار کے مقالہ نگار نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہو کہ قدیم تاتاری نسل اپنی ایک مستقل شاخ رکھتی ہو۔ مشرق اقصیٰ اُس کا محل و وطن نہ تھا۔ یہ دنیا کے وسطی حصوں سے وہاں پہنچی تھی۔

اس سلسلہ میں لفظ "تارخ" اور "آزر" کی اصلیت نے بھی ایک سخت نزاع پیدا کر دی ہو۔ یہ بحث بھی چھڑ گئی ہو کہ "تارخ" اور "آزر" اصلاً ایک ہی لفظ ہیں یا دو مختلف نام ہیں؟ قرآن حکیم میں حضرت ابراہیم کو "آزر" کا بیٹا بتلایا گیا ہو: اذ قال ابراھیم لابیہ آزر" لیکن توراۃ میں "تارخ" ہو۔ مفسرین نے اس کی یوں توجیہ کی ہو کہ "آزر" حضرت ابراہیم کا باپ تھا چچا تھا۔ باپ "تارخ" ہی تھا۔ لیکن چونکہ اُسی نے حضرت ابراہیم کی پرورش کی تھی۔ نیز عربی میں چچا پر بھی باپ کا اطلاق ہوتا ہے، اس لئے قرآن نے "آزر" کو باپ کے لفظ سے تعبیر کیا۔

بہر حال یہ، اور اس طرح کی بحثیں ایک طرح کی کاوش فکر اور تفنن طبع ہیں۔ اس سے زیادہ ان کی کوئی وقعت نہیں جہاں تک حضرت ابراہیم کے باپ کی شخصیت کا سوال ہے، صاف بات یہی معلوم ہوتی ہو کہ "تارخ" اور "آزر" سے ایک ہی شخصیت مراد ہو۔ قدیم الفاظ و اعلام میں اس طرح کے تبدلات بکثرت ہوئے ہیں۔

امریکہ کے شامی اور استقلال شام

قارئین الہلال کو غالباً معلوم ہوگا کہ امریکہ میں شامی مہاجرین کی بڑی بڑی نو آبادیاں ہیں۔ انھوں نے امریکن جنسیت قبول کر لی ہو۔ اور عام امریکن آبادی کی طرح تمول و خوشحالی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اُن کے خاص عربی اخبارات ہیں، کلب ہیں، ہوٹل ہیں، جہاز رانی کی کمپنیاں ہیں، اور خاص نیویارک میں بڑے بڑے آباد محلے ہیں۔ غالب تعداد مذہبی کتھولک مسیحی ہو۔ کمتر مسلمان بھی ہیں۔

چونکہ اِن کی جدید تمدنی زندگی کی ابتدائی نشو و نما فرانس کے زیر اثر ہوئی تھی، اس لئے قدرتی طور پر جذبات کا میلان اُسی طرف رہتا ہو۔ جنگ کے بعد جب فرانس نے شام پر غاصبانہ قبضہ کیا، تو انھوں نے شام کو مبارکباد دی۔ پھر جب شامیوں نے فرانسیسی مظالم سے عاجز آ کر اعلان جنگ کر دیا، تو ان کے اخبارات علانیہ فرانس کے حامی اور دروزیوں کی "وحشت و جہالت اور ناشکر گزاری" پر متاسف تھے!

چونکہ مہاجرین امریکہ ابنائے شام کی سب سے بڑی متمول اور طاقتور جماعت ہیں، اس لئے قدرتی طور پر انکے خیالات کا مسئلہ شام پر نہایت مضر اثر پڑتا تھا۔

یہ حال دیکھ کر متعدد شامی لیڈروں نے امریکہ کا سفر کیا۔ پچھلے دنوں ڈاکٹر عبد الرحمٰن شہبندر گئے تھے، جنھوں نے امریکہ کی تمام شامی آبادیوں میں لکچر دئیے اور صورت حال سے مطلع کیا۔ اُنکے بعد مشہور شامی زعیم، امیر شکیب ارسلان نے اسی غرض سے امریکہ کا سفر کیا اور کئی ماہ تک مقیم رہے۔ اب معلوم ہوتا ہو کہ یہ تمام کوششیں پوری طرح بار آور ہوئی ہیں اور امریکن شامیوں کی رائے عامہ میں بہت کچھ تبدیلی ہو گئی ہو کئی ہفتہ سے امریکہ کے جس قدر عربی اخبارات آ رہے ہیں، سب سے اس تبدیلی کا پتہ چلتا ہو۔ پچھلی ڈاک کے البیان اور الہدیٰ میں کئی مضامین شام کے مسئلہ استقلال پر نکلے ہیں۔ سب میں وہی نقطۂ خیال کام کر رہا ہو جو شام کا مخلصانہ وطنی نقطۂ خیال ہو۔ الہدیٰ لکھتا ہو:

"بلا شبہ ہم فرانس کے علم و ادب کے مقروض ہیں۔ ہمیں اس قرضہ کی اہمیت سے انکار نہیں لیکن ہم اس کے لئے طیار نہیں کہ اس کے معاوضہ میں اپنا وطن عزیز اور اُس کا وطنی استقلال مال غنیمت کی طرح حوالہ کر دیں۔ ہم فرانس کے آگے عبودیت و غلامی کا سجدہ کرنے سے انکار کرتے ہیں"

پارہ کا فوری علاج

ہر شخص جانتا ہو کہ کچا پارہ اگر جسم کے اندر چلا جائے تو نہایت مضر ہوتا ہو۔ پارہ کا پھوٹنا مشہور ہو ایک مدت سے طبی حلقوں کو تلاش تھی کہ اسکا کوئی فوری اور قطعی علاج معلوم ہو جائے اب امریکہ کے مشہور طبی رسالہ "جرنل آف دی میڈیکل ایسوسی ایشن" میں اس کا مجرب اور سہل علاج بتلایا گیا ہو۔ امریکہ کے تمام مستند طبی حلقے اس کی تصدیق کرتے ہیں:

"اگر کوئی شخص پارہ کھا گیا ہو تو پہلے ایک یا دو گلاس دودھ پلا دو۔ پھر چند کچے انڈے کھلا دو۔ یہ چیزیں جب پارے سے ملتی ہیں تو فوراً ایک نمک طیار ہو جاتا ہو۔ اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ معدہ میں پارہ ہضم نہ ہو سکے گا اور دودھ اور انڈے کی چکناہٹ معدہ کی دیواروں کو چکنا بھی کر دے گی تاکہ پارہ جذب نہ ہو سکے۔ البتہ یاد رہے کہ ہر حال میں دو باتوں کا ضرور خیال رکھنا چاہئے۔ ایک یہ کہ پارہ کے بعد جہاں تک جلد ممکن ہو یہ علاج عمل میں آ جائے۔ دوسرے یہ کہ معدہ کی صفائی اچھی طرح کر دی جائے"

خط و کتابت کے وقت نمبر خریداری ضرور تحریر فرمایا کریں نیز نام اور پتہ صاف ہونا چاہئے ورنہ تعمیل میں دیر ہوگی۔
منیجر الہلال، کلکتہ

کیا آپکو معلوم نہیں
کہ
اسوقت دنیا میں بہترین فاؤنٹین قلم
امریکن کارخانہ "شیفر"
کا
"لائف ٹائم" قلم ہی؟

(۱) اتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نزاکت یا پیچیدگی ہونے کی وجہ سے خراب نہیں ہو سکتا۔
(۲) اتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپکو آپ کی زندگی بھر کام دے سکتا ہو
(۳) اتنا خوبصورت، سبز، سرخ اور سنہری بیل بوٹوں سے مزین کہ اتنا خوبصورت قلم دنیا میں کوئی نہیں۔

کم از کم تجربہ کیجئے
یاد رکھئے جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو آپ کو "شیفر" کا
"لائف ٹائم"
لینا چاہئے!

بریدِ شرق

مکتوبِ قسطنطنیہ

(الہلال کے مقالہ نگار قسطنطنیہ کے قلم سے)

دو تاریخی دشمن رُو در رُو

سابق خدیو مصر کا مقدمہ

عباس پاشا حلمی، دورِ حاضر کے سربرآوردہ مشاہیر میں سے ہیں۔ جنگِ عمومی کے آغاز تک مصر کے فرمانروا تھے۔ برطانیہ سے اِن کی مخالفت تاریخی واقعہ بن گئی ہے۔ باہمی عداوت کی سرگزشت خود لارڈ کرومر نے اپنے پُرزور سیاسی قلم سے لکھی ہے اور "عباس ثانی" کے نام سے دُنیا کے ہاتھوں میں موجود ہے۔ لارڈ موصوف نے عباس کی مذمت میں اپنی تمام قوت کتابت صرف کر دی ہے۔ مگر شروع سے آخر تک کتاب پڑھ ڈالنے کے بعد اس کے سوا کچھ ثابت نہیں ہوتا کہ "یہ خدیو، برطانیہ کا دشمن تھا" کیونکہ "برطانیہ نے اُس کے مُلک پر غاصبانہ قبضہ کر لیا تھا"

یہاں ہم خدیو کی وطن پرستی کی تاریخ بیان کرنی نہیں چاہتے ہیں لیکن یہ ظاہر کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ آخرکار اسی وطن پرستی نے عباس حلمی کو اپنے تاج و تخت سے محروم کرایا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ برطانیہ نے مصر میں اُس کی تمام ذاتی جائداد ضبط کر کے پُورا پُورا انتقام لے لیا۔

آج مصر میں خدیو کی کوئی ملکیت باقی نہیں ہے حالانکہ جنگ سے پہلے وہ مصر کا سب سے بڑا صاحب املاک تھا۔ خدیو کی سابق دَولت کے متعلق بہت سے قصّے مشہور ہیں۔ وہ اپنے عہد حکومت میں دنیا کے چند سب سے زیادہ دولتمند فرمانرواؤں میں سے تھا

بہرحال وہ قدیم تاریخی دشمنی آج پھر منظرِ عام پر آگئی ہے۔ پہلے اُس کا دائرہ شاہی محل، انگریزی ریزیڈنسی اور سیاسی حلقوں میں محدود تھا۔ آج وہ عدالت کے ایوان میں جلوہ آرا ہے اور جج اُس پر محاکمہ کرنے بیٹھے ہیں۔

مقدمہ کی نوعیت

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ سابق خدیو نے قسطنطنیہ کی مخلوط اعلیٰ عدالت میں حکومت برطانیہ پر دعویٰ دائر کیا ہے اور اپنی جائداد کا معاوضہ طلب کیا ہے جو دورانِ جنگ میں ضبط کر لی گئی تھی۔ خدیو کا دعویٰ یہ ہے کہ برطانیہ نے اُس کی جائداد ضبط کرنے کے بعد اُسے صرف ۶۰۰،۰۰۰ پونڈ معاوضہ ادا کیا یہ رقم بہت کم ہے۔ اُسے ۲۸،۲۳،۸۰۲ پونڈ معاوضہ ملنا چاہئے۔

مدعا علیہ کا جوابِ دعویٰ

دعویٰ اپنے اجمال میں صاف اور سادہ ہے۔ لیکن تفصیلات نے بہت سی پیچیدگیاں پیدا کر دی ہیں جن کے حل کرنے میں اس وقت ترکی، مصر، برطانیہ اور بعض دوسرے یورپین ملکوں کے قابل ترین علمائے قانون مشغول ہیں۔ یہ پیچیدگیاں دراصل برطانیہ کی طرف سے پیدا کی گئی ہیں۔ برطانوی وکیل مورس اموس نے کل عدالت میں اپنے اعتراضات پیش کئے تھے۔ سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ موجودہ عدالت، جس کے سامنے مقدمہ پیش ہے، اس مقدمہ کی سماعت کا اختیار نہیں رکھتی۔ برطانی نمایندے نے اس کے لئے متعدد دلیلیں پیش کی ہیں۔ اول مدعی کی شخصیت۔ ثانیاً دعوے کا موضوع۔

انگریزی وکیل نے کامل تین گھنٹے تقریر کی۔ اور اِن دونوں نقطوں پر ہر پہلو سے روشنی ڈالی۔ اُس کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے:

"مدعی کی شخصیت، موجودہ عدالت کے دائرۂ اختیار سے باہر ہے۔ یہ اس لئے کہ خدیو کی جنسیت مصری ہے۔ اور یہ مسلّم ہے کہ اس عدالت کے سامنے صرف اُنھی لوگوں کے دعوے آسکتے ہیں جو ترکی جنسیت رکھتے ہوں اور برطانیہ یا اُس کی رعایا کے خلاف دعویٰ رکھتے ہوں" اپنے دعوے کے ثبوت میں وکیل نے کہا "ابتک مصری حکومت سابق خدیو کو "مصری" ہی گردانتی ہے اور اُن کی ترکی جنسیت تسلیم نہیں کرتی۔ اس بارے میں مصری اور ترکی حکومت میں گفت و شنید بھی ہو چکی ہے۔ مگر مصری حکومت اپنے فیصلہ پر قائم ہے۔ میرے لئے سرکاری کاغذات پیش کرنا مشکل ہے۔ لیکن میرے پاس موجودہ مصری وزیر اعظم عبدالخالق ثروت پاشا کا خط موجود ہے جو اُن سے خاص اس موقعہ کے لئے حاصل کیا گیا ہے"

اس کے بعد وکیل نے وزیر اعظم مصر کا خط پیش کیا جو حسب ذیل ہے:

"آپ کا خط پہونچا۔ افسوس جواب میں بہت تاخیر ہوئی۔ اس کا اصلی سبب وزارت کا استعفا تھا۔ اسی استعفا کی وجہ سے اُس نوٹ پر دستخط بھی دیر سے ہوئے جو سابق خدیو عباس پاشا کے متعلق مصری حکومت ترکی سفیر کے حوالہ کرنے والی تھی۔ آج اس نوٹ پر دستخط ثبت ہو گئے اور ترکی سفیر کو دے دیا گیا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مصری حکومت سابق خدیو کی جنسیت کی تبدیلی تسلیم نہیں کرتی۔ ... میں آپ کی اس مہم میں پُوری کامیابی کا خواہشمند ہوں"

خط سُنانے کے بعد انگریزی وکیل نے کہا:

"اب یہ مسئلہ بالکل صاف ہو گیا کہ عباس حلمی مصری ہیں۔ ترکی نہیں ہیں۔ ۲۹ اکتوبر ۱۹۱۴ء میں برطانیہ نے مصر پر اپنی حمایت (پروٹیکٹوریٹ) کا اعلان کیا۔ اُس وقت سے خدیو انگریزی رعایا ہو گئے۔ لہٰذا اُن کا موجودہ دعویٰ برطانیہ کا ایک داخلی معاملہ ہے۔ یعنی برطانیہ کی ایک رعایا نے حکومت برطانیہ پر دعویٰ کیا ہے۔ موجودہ عدالت کو ایسے مقدمات سننے کا قانوناً حق نہیں ہے۔ بنا بریں عدالت کو اس مقدمہ پر غور نہیں کرنا چاہئے"

اس کے بعد وکیل نے دوسرے نقطہ پر بحث شروع کی:

"خدیو اپنی جائداد کا معاوضہ طلب کرتے ہیں۔ حالانکہ موجودہ عدالت کو معاوضہ کے دعوؤں پر غور کرنے کا حق ہی نہیں ہے۔ بلکہ یہ عدالت، معاہدۂ لوزان کے بموجب وجود میں آئی ہے اور اس معاہدہ میں صاف تصریح موجود ہے کہ ترکی برطانی عدالت صرف اُن دعوؤں پر غور کرے گی جو ترکی یا دول اتحاد طرفین پر کسی جائداد کے متعلق دائر کریں گے بشرطیکہ اُس جائداد کا طرفین کو علم ہو۔ لیکن خدیو کسی جائداد کا مطالبہ نہیں کر رہے ہیں بلکہ معاوضہ طلب کرتے ہیں۔ حالانکہ معاوضہ کا معاملہ اس عدالت کے اختیار سے باہر ہے"

یہ کہکر وکیل نے معاہدۂ لوزان کی دفعہ ۵۸ پڑھی جس کا مضمون یہ ہے:

"ترکی اور دول اتحاد باہمی رضامندی سے اُن تمام نقدی معاوضوں کے مطالبہ سے دست بردار ہوتے ہیں جن کا تعلق یکم اگست ۱۹۱۴ء سے تاریخ معاہدہ تک طرفین کی جائداد سے ہے عام اس سے کہ وہ جائدادیں تباہ ہو گئی ہوں یا ضبط کر لی گئی ہوں"

وکیل نے کہا "اس تصریح کے بعد خدیو کا دعویٰ بالکل بے بُنیاد ہو جاتا ہے" یہاں پر انگریزی وکیل کو اعتراف کرنا پڑا کہ "لوزان کا معاہدہ اُن معاہدوں سے بالکل مختلف ہے جو دول اتحاد نے جرمنی، آسٹریا، اور بلغاریہ سے کئے ہیں۔ یہ معاہدے غالب اور مغلوب کے مابین ہوئے تھے، اسی لئے اُن میں غالب کی سخت شرطیں موجود ہیں۔ لیکن لوزان کا معاہدہ دو برابر کے حریفوں میں ہوا تھا غالب اور مغلوب میں نہیں ہوا تھا۔ اسی لئے اُس کی تمام شرطوں کی بنیاد مساوات پر ہے"

یہ تاریخی واقعہ بھی اُسے تسلیم کرنا پڑا کہ "لوزان کانفرنس میں اتحادیوں نے ترکی کو دبانے کی کوشش کی تھی۔ چنانچہ تین کرور پونڈ تاوان جنگ طلب کیا تھا۔ مگر ترکی نے صاف انکار کر دیا۔ اس کے بعد ڈیڑھ کرور طلب کیا۔ اسپر بھی ترکی راضی نہ ہوا۔ آخر ایک کرور بیس لاکھ پر اصرار کیا گیا۔ مگر ترکی نے اس بارے میں گفتگو کرنے سے قطعی انکار کر دیا۔ مجبوراً اتحادیوں کو مذکورۂ بالا دفعہ ۵۸ پر راضی ہونا پڑا، جس کی رُو سے طرفین ہر قسم کے مالی معاوضوں سے دست بردار ہو گئے"

اس کے بعد وکیل نے معاہدہ کی دفعہ ۶۵ اور ۶۶ پر بحث کی" بلاشبہ ان دفعوں میں طرفین نے تسلیم کیا ہے کہ ضبط شدہ جائدادیں واپس کر دیں گے یا اُن کی قیمت ادا کر دیں گے۔ مگر اس میں صاف تصریح موجود ہے کہ ایسے دعوے اُس عدالت میں پیش ہو سکتے ہیں جو طرفین خاص اسی غرض سے مقرر کرینگے موجودہ عدالت کی یہ حیثیت نہیں ہے، لہٰذا اس مقدمہ پر غور کرنا اُس کے اختیار سے باہر ہے"

اس کے بعد وکیل نے یہ اعتراض پیش کیا کہ "معاہدۂ لوزان کی رُو سے طرفین ایسی ہی جائدادوں کا مطالبہ کر سکتے ہیں جو کسی ایک فریق کے قبضہ میں ہیں۔ کیونکہ اگر قبضہ میں نہیں ہیں تو اُن کی واپسی بھی ناممکن ہے۔ مدعی عباس پاشا کی فی الحال کوئی

جائداد بھی برطانیہ کے قبضہ میں نہیں ہے - کیونکہ مصر اب ایک خود مختار سلطنت ہے اور برطانیہ کو اُس کے اندرونی معاملات میں مداخلت کا حق باقی نہیں رہا"

"علاوہ بریں" وکیل نے مزید استدلال کرتے ہوئے کہا "معاہدۂ لوزان نے یہ بھی تصریح کر دی ہے کہ برطانیہ اُنہی ملکوں کی جائدادیں واپس کرے گا جو اس معاہدہ کے وقت ٹرکی کے قبضہ سے نکلے ہیں۔ ظاہر ہے مصر کا شمار ایسے ملکوں میں نہیں ہے۔ مصر جنگ سے پہلے ہی ٹرکی سے علحدہ ہو چکا تھا"

اس موقعہ پر وکیل نے لاہائی کی عدالت عالیہ کے مشہور جج موسیو کوبر کا یہ قول نقل کیا کہ کسی ملک کے اپنی سلطنت سے علحدہ ہونے کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ سلطنت یہ علحدگی تسلیم بھی کر لے فعلاً کسی ملک کی حکومت کا بے اختیار ہو جانا اس کے لئے کافی ہے کہ اُسے حکومت کے امتیاز سے محروم تسلیم کر لیا جائے"

اس قول سے وکیل نے یہ استدلال کیا کہ "ٹرکی نے اگرچہ مصر کی علحدگی سرکاری طور پر اُس وقت تسلیم نہیں کی تھی۔ مگر مصر فعلاً اُس سے علحدہ ہو چکا تھا اور اگر اُس وقت کی علحدگی قانوناً جائز نہ ہو تو پھر ۱۹۱۴ء میں انگریزی حمایت نے تو مصر کو قطعاً الگ کر دیا تھا اور دول نے بھی اسے تسلیم کر لیا تھا۔ اگر یہ بھی معتبر نہ ہو تو مارچ ۱۹۲۲ء میں مصر کے اعلان خود مختاری پر تو کوئی زد و قدح نہیں ہو سکتی۔ یہ اعلان صرف دول یورپ ہی نے نہیں بلکہ خود ٹرکی نے بھی تسلیم کر لیا ہے"

غرضکہ انگریزی وکیل نے ہر ممکن دلیل سے ثابت کرنا چاہا کہ خدیو عباس کا موجودہ دعویٰ اگر بے بنیاد نہ ہو تو بھی اس عدالت میں پیش نہیں ہو سکتا۔ عدالت میں ۶۰ سے زیادہ سربرآوردہ ترک اور سفرار دول موجود تھے۔ مگر کسی نے بھی انگریزی وکیل کی تقریر پسند نہیں کی۔ اُس کی تقریر غیر دلچسپ اور افسردہ کن تھی تمام حاضرین اس بات پر مسکرا رہے تھے کہ وہ بار بار جوش میں آ کر تمسخر انگیز حرکتیں کرنے لگتا تھا سب سے زیادہ تمسخر انگیز منظر اُس کی عینک میں تھا۔ وہ اپنی عینک کسی طرح بھی سنبھال نہیں سکتا تھا۔ بار بار ناک پر رکھتا اور پھر گھبرا کر اُتار دیتا۔ جب رکھتا تھا تو اس طرح ججوں کو دیکھنے لگتا تھا گویا کتاب پڑھ رہا ہے۔ جب اُتار دیتا تھا تو اس طرح نظریں اُٹھا دیتا تھا گویا اندھیرے سے اچانک روشنی میں آ گیا ہے!

برخلاف اس کے خدیو کے پیرو کار بڑے سلیقہ اور وقار کے وکیل تھے۔ انکے سرگروہ مشہور قانون داں طاہر بک ہیں۔ یہ آستانہ کے مدرسۂ قانون کے مہتمم ہیں اور لوزان کانفرنس میں ترکی وفد کے قانونی مشیر تھے۔

خدیو کے وکلاء کی بحث

خدیو کی طرف سے تین وکیل تھے۔ تینوں نے انگریزی وکیل کی بحث کے تین اہم نقطوں کو باہم تقسیم کر لیا تھا۔

طاہر بک نے خدیو کی جنسیت پر بحث کی اُنھوں نے کہا:

"خدیو، ترکی رعایا ہیں۔ کیونکہ ترکی قانون جنسیت اُنھیں ترکی رعایا قرار دیتا ہے اور مصری قانون جنسیت اُنھیں مصری تسلیم نہیں کرتا۔ خود برطانیہ معترف ہے کہ ۵ نومبر ۱۹۱۴ء تک خدیو کا شمار ترکی رعایا میں تھا، پھر اس تاریخ کے بعد بقول اُس کے خدیو مصری رعایا ہو گئے۔ حالانکہ ۱۹۲۶ء کے مصری قانون جنسیت کی دفعہ ۲ خدیو کو مصری جنسیت سے خارج کر رہی ہے۔ کیونکہ مصر میں اُن کی عدم موجودگی اور مصر میں اُن کے داخلہ کی ممانعت کی وجہ سے ان پر وہ شرطیں عائد نہیں ہوتیں جو مصری رعایا ہونے کے لئے قانون میں درج ہیں۔ اس قانون میں صاف لکھا ہے کہ وہی لوگ مصری رعیت ہیں جو ۵ اکتوبر ۱۹۱۴ء کو مصر میں موجود تھے اور اسکے بعد بھی برابر وہاں بود و باش رکھتے ہیں۔ خدیو عباس میں یہ دونوں شرطیں پوری نہیں ہوئیں۔ بلاشبہ ۱۹۱۴ء میں خدیو اپنے ملک واپس جانا چاہتے تھے مگر خود انگریزی سفیر مقیم قسطنطنیہ نے اُنھیں واپسی سے روک دیا"

اس کے بعد طاہر بک نے مصری وزیر اعظم عبد الخالق ثروت پاشا کے مذکورۂ بالا خط پر گفتگو کرتے ہوئے کہا:

"یہ نام نہاد خط، اس مقدمہ میں پیش کرنا درست نہیں۔ کیونکہ طرفین نے عدالت کے سامنے پہلے ہی طے کر لیا تھا کہ ایسے کاغذات پیش نہیں کئے جائیں گے جو پہلے سے طرفین کے معائنہ میں نہیں آ چکے ہیں۔ انگریزی وکیل نے یہ کارروائی بالکل خلاف اصول کی ہے۔ تاہم میں اس خط پر چند لفظ کہے بغیر نہیں رہ سکتا یہ خط محض شخصی اور نجی کاغذ ہے۔ سرکاری دستاویز نہیں ہو سکتا خود میرے پاس ترکی حکومت کے سرکاری کاغذات موجود ہیں جن سے میرے موکل کی ترکی جنسیت پوری طرح ثابت ہوتی ہے مگر میں نے پیش نہیں کئے کیونکہ میں کوئی کارروائی باہمی معاہدہ کے خلاف نہیں کرنی چاہتا۔ ثروت پاشا کے خط پر ایک سرسری نظر ڈالنے ہی سے ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ خط صرف اس لئے حاصل کیا گیا ہے کہ مدعا علیہ مقدمہ پر اپنے موافق اثر ڈالے۔ نیز یہ ایک ایسی حکومت کے وزیر اعظم نے لکھا ہے جس کی مصلحت اسی میں ہے کہ میرا موکل مقدمہ ہار جائے۔ کیونکہ اُس کی جائداد اسی حکومت کے ہاتھ میں ہے اور وہ اس سے متمتع ہو رہی ہے۔ اس خط کو کتنی ہی اہمیت دی جائے مگر وہ مصری قانون جنسیت کی دفعہ ۲ کو باطل نہیں کر سکتا جسنے خدیو کو مصری جنسیت سے محروم کر دیا ہے"

اس کے بعد ترکی وکیل نے اپنے حریف کے اس بیان کی تردید کی کہ خدیو کی جنسیت کے بارے میں مصری اور ترکی حکومتوں کے مابین گفت و شنید ہوئی تھی۔ اُنھوں نے کہا:

"ترکی حکومت نے اس بارے میں مصری حکومت سے کوئی گفتگو نہیں کی۔ ترکی حکومت پوری تاکید سے خدیو کو ترکی سمجھتی رہی ہے۔ پھر وہ ایک ایسے صاف معاملہ پر گفتگو کر کے اُسے مشتبہ کیسے بنا سکتی تھی؟ ممکن ہے یہ حقیقت ثروت پاشا کے لئے تکلیف دہ ہو۔ ممکن ہے حکومت برطانیہ کو موجودہ مشکل سے نکالنے کے لئے مصری حکومت اپنے سر ذمہ داری لے لے مگر ان تمام کوششوں کے بعد بھی حقیقت، حقیقت ہی رہے گی۔ خدیو، ترکی سے مصری نہیں ہو جائیں گے۔ ہمارے موکل نے انگریزی وکیل کے اس بیان پر عصمت پاشا کو توجہ دلائی تھی۔ اس پر انھوں نے جو جواب بھیجا ہے وہ میں عدالت کے سامنے رکھ دیتا ہوں"

اس کے بعد انھوں نے عصمت پاشا کا حسب ذیل خط پڑھ کر سنایا:

"آپکی جنسیت کے متعلق ہمیں حکومت مصر کے کسی اعتراض کا آج تک علم نہیں۔ ہماری وزارت خارجیہ بھی اب تک ناواقف ہے کہ مصر میں ترکی سفیر کو مصری حکومت نے اس بارے میں کوئی نوٹ دیا ہے۔ آپکی جنسیت کے متعلق کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ یہ معاملہ کسی حال میں بھی معرض بحث میں نہیں لایا جا سکتا"

طاہر بک کے بعد خدیو کے دوسرے وکیل اسیو برگریہ نے اس نقطہ پر بحث کی کہ مصر، ٹرکی سے کب علحدہ ہوا؟ اُنھوں نے ثابت کیا کہ ٹرکی مصر سے معاہدۂ لوزان کے وقت سے دستبردار ہوا ہے نہ کہ اس سے پہلے۔ معاہدہ کی دفعہ ۱۶ میں صاف لکھا ہے کہ ٹرکی اپنی حدود کے باہر جملہ مقبوضات سے دست بردار ہوتا ہے پھر مصر اور سوڈان کے متعلق اسی دفعہ میں مزید تصریح موجود ہے کہ ان دونوں ملکوں سے دست برداری ۵ نومبر ۱۹۱۴ء سے تصور کی جائے گی۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مصر کی باضابطہ علحدگی معاہدۂ لوزان سے ہوئی ہے۔ نہ کہ کسی اور معاہدہ یا واقعہ سے۔

اس کے بعد خدیو کے تیسرے وکیل مسیو گارز نے وکیل کے اس اعتراض پر بحث کی کہ موجودہ عدالت اس مقدمہ پر غور نہیں کر سکتی اُنھوں نے کہا:

"میرے موکل کی جائداد مصر میں تھی۔ برطانیہ نے اُسے ضبط کر لیا۔ ثبوت یہ ہے کہ ۲۹ اکتوبر ۱۹۱۴ کو جبکہ یہ واقعہ پیش آیا مصر برطانیہ کے قبضہ میں تھا اگرچہ اس قبضہ کا باضابطہ اعلان ۱۸ دسمبر ۱۹۱۴ء میں ہوا ہے"

اس کے بعد وکیل نے بین الاقوامی قوانین کی بہت سی کتابوں کے حوالے پڑھ کر بتایا کہ کسی ملک پر قبضہ اگر فعلاً موجود ہو اور اس قبضہ کے لئے کوئی معاہدہ یا اعلان نہ بھی ہوا ہو جب بھی وہ قبضہ قانوناً تسلیم کیا جائے گا۔ فعلاً اُس کا موجود ہونا اُس کی موجودگی کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ تمام علمار قانون نے قبضہ کی تعریف یہ کی ہے کہ کسی ملک کی مدافعت کی ذمہ داری اور اُس کے معاملات میں مداخلت کا نام قبضہ ہے۔ یہ چیز اُس وقت سے موجود تھی جب سے برطانیہ کی فوجیں مصر میں داخل ہوئیں۔

اپنے دعویٰ کی دلیل میں وکیل نے لارڈ ملنر اور دوسرے ذمہ دار انگریزوں کی تصریحات بھی پیش کیں اور بتایا کہ مصر فعلاً انگریزی حمایت میں تھا اگرچہ اُس کا باضابطہ اعلان ۱۸ دسمبر ۱۹۱۴ء کو ہوا۔ وکیل کی سب سے بڑی دلیل، جسنے پوری عدالت کو سکتہ میں ڈال دیا، انگریزی سپہ سالار مصر کا وہ اعلان تھا جو اُسنے اگست ۱۹۱۴ء میں شایع کیا تھا اور اسمیں لکھا تھا کہ برطانیہ نے اُسے مصر کی حمایت و مدافعت کے لئے مقرر کیا ہے۔

غرضکہ وکیل نے قطعی طور پر ثابت کر دیا کہ ۲۹ اکتوبر ۱۹۱۴ء میں جبکہ خدیو کی جائداد ضبط ہوئی ہے، مصر برطانیہ ہی کے قبضہ میں تھا۔ اس کے بعد وکیل نے اُن تمام اعتراضوں کو ایک ایک کر کے رد کر دیا جو انگریزی وکیل نے معاہدۂ لوزان پر بحث کرتے ہوئے ضبط شدہ جائدادوں اور اُن کے معاوضہ کے متعلق پیش کئے تھے۔

ترکی حکومت کا بیان

تمام کارروائی ختم ہونے کے بعد ترکی حکومت کے نمائندے وصفی راشد بک نے عدالت کے سامنے ۱۹ بڑے صفحوں پر لکھی ہوئی ایک دستاویز پیش کی۔ اسمیں ترکی حکومت نے مقدمہ کے بارے میں اپنے خیالات ظاہر کئے تھے۔ اسکے بعد ترکی وزیر خارجیہ کا یہ پیغام پڑھا گیا:

"عباس حلمی پاشا ترکی جنسیت رکھتے ہیں۔ ہم نے مصری حکومت سے جو گفت و شنید کی تھی وہ خدیو کے بارے میں نہیں بلکہ مصری قانون جنسیت کے بارے میں تھی۔ چونکہ خدیو جنگ عمومی کے قبل ہی سے قسطنطنیہ میں مقیم ہیں اس لئے مصری قانون کی دفعہ ۲ و ۳ کی رُو سے وہ مصری رعایا نہیں ہو سکتے"

آخر میں عدالت نے انگریزی وکیل سے پوچھا کہ اُسے کچھ اور کہنا ہے؟ وکیل نے انکار کیا۔ اس پر عدالت برخواست ہو گئی فیصلہ کی تاریخ کا بعد میں اعلان کیا جائے گا۔

مکتوبِ فلسطین

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم بیت المقدس کے قلم سے)
(عربی سے ترجمہ کیا گیا)

جامعۂ عبرانی

فلسطین کی عبرانی یونیورسٹی نے اعلان کیا ہے کہ وہ عربی زبان کا شعری لغت مرتب کر رہی ہے۔ اس سے مقصود لغت کی ایک ایسی کتاب ہے جس میں اُن تمام لفظوں اور محاوروں کی تحقیق کی جائے گی جو عربی شعار میں استعمال ہوئے ہیں۔

یہ تجویز نہایت اہم اور ایک بڑی ضرورت پوری کرنے والی ہے۔ عربی علم ادب سے مہارت رکھنے والے جانتے ہیں کہ عہد جاہلیت اور مولّدین کے کتنے اشعار محض اس لئے مشکل ہو گئے ہیں کہ موجودہ کتب لغت میں اُن کے الفاظ اور محاوروں کی پُوری تحقیق موجود نہیں۔

تحقیقات سے مجھے معلوم ہوا کہ اس غرض کے لئے یونیورسٹی نے علماء کی ایک کمیٹی بنائی ہے۔ مشہور یہودی علامہ ہرفنتز اس کے صدر ہیں۔ کام شروع ہو گیا ہے۔ لیکن اس کی تکمیل میں تقریباً پندرہ برس لگیں گے۔

اسی سلسلہ میں یونیورسٹی کی ایک اور تجویز بھی قابل ذکر ہے۔

عربی ادب سے دلچسپی رکھنے والوں نے جرمنی کے مشہور مستشرق پروفیسر بکر کا نام سنا ہوگا۔ یہ اس وقت پروشیا کے وزیر تعلیم ہیں۔ اُنھوں نے سالہا سال کی کوششوں سے عربی زبان کی بکثرت قدیم قلمی تحریریں جمع کی ہیں۔ علمی دنیا میں ان کا مجموعہ نہایت نادر اور قیمتی سمجھا جاتا ہے۔ فلسطین کی یہودی یونیورسٹی نے گزشتہ ماہ یہ تجویز منظور کی ہے کہ پروفیسر مذکور سے یہ تاریخی مجموعہ خرید لیا جائے اور یونیورسٹی کے اہتمام کے ساتھ شایع کر دیا جائے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اگر یہ مجموعہ شایع ہوا تو دس جلدوں میں ختم ہوگا۔

عبرانی یونیورسٹی کے کارناموں میں مشرق کی اکثر قوموں کے لئے بڑی ہی عبرت ہے۔

عبرانی اپنے بولنے والوں کی پراگندگی و بربادی کے بعد خود بھی برباد ہو گئی تھی۔ مُردہ زبانوں میں اُس کا شمار تھا۔ مذہبی کتابوں اور عبادت خانوں کے باہر اُس کا نام و نشان تک باقی نہ رہا تھا لیکن سخت جان یہودیوں کی بیس برس کی کوششوں نے آج اُسے ایک زندہ زبان بنا دیا ہے۔ اس وقت فلسطین میں عربی کے بعد سب سے زیادہ مستعمل یہی زبان ہے۔ عدالتوں اور بازاروں تک میں بولی جاتی ہے، اسمیں نئے علوم و فنون ہیں۔ اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ ہے۔ اپنی خاص یونیورسٹی رکھتی ہے جس کا شمار موجودہ عہد کی بہترین یونی ورسٹیوں میں ہے!

عبرانی یونی ورسٹی کی عظمت کا اندازہ صرف اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ دو سال کی قلیل مدت میں اُسنے ایک لاکھ ۴۰ ہزار کتابیں اپنے کتب خانہ میں جمع کر لی ہیں جو تمام تر یہودی علوم اور یہودی قوم سے تعلق رکھتی ہیں!

قومی مؤتمر

فلسطین کی قومی مؤتمر (کانگرس) نے ایک عام اجتماع منعقد کرنے کی دعوت شایع کی ہے۔ اس سے غرض اُس قانون پر بحث و اعتراض ہے جو گورنمنٹ نے فلسطینی قومیت یا جنسیت کے متعلق حال میں بنایا ہے۔ یہ قانون اُن تمام لوگوں کو فلسطینی جنسیت سے خارج کرتا ہے جو فلسطین کے باہر بود و باش رکھتے ہیں۔ نیز اُنھیں اپنے ملک میں واپس ہونے سے بھی منع کرتا ہے۔ اس قانون کی وجہ سے باشندے سخت ہیجان میں ہیں۔

مجلس تشریع

ملک میں مجلس تشریع (لیجسلیٹو کونسل) کے قیام کا مطالبہ عام ہے گورنمنٹ بھی اسپر غور کر رہی ہے۔ اس راہ میں بڑی رُکاوٹ یہ ہے کہ جن لوگوں پر قوم کو اعتماد ہے، حکومت اُنھیں پسند نہیں کرتی۔ اور حکومت کے آدمیوں پر قوم کو اعتماد نہیں۔ اس صورت میں کونسل کا قیام کیسے ہو سکتا ہے؟ حکومت ڈرتی ہے کہ اپنا ایک نیا دشمن کیوں پیدا کرے؟ قوم خیال کرتی ہے حکومت کے ہاتھ میں ایک نیا ہتیار کیوں دے؟ لیکن متعدد سیاسی رہنماؤں نے اعلان کیا ہے کہ ہم حکومت کے ساتھ اتحاد عمل کرنے کو تیار ہیں بشرطیکہ وہ سچائی کے ساتھ قومی مطالبے کی طرف عملی قدم اُٹھائے۔ ایسے معاملات میں "سچائی" کی قید ہمیشہ مشتبہ ہوتی ہے!

ایک اہم انکشاف

پروفیسر ولیم یہاں آثار قدیمہ تلاش کر رہے ہیں۔ حال میں اُنھیں "تل تیشا" پر زمین کے اندر ایک دیوار ملی ہے۔ سولہ سے بیس فٹ تک موٹی ہے۔ خیال کیا جاتا ہے یہ ۲۰۰۰ قبل مسیح میں تعمیر ہوئی تھی۔

ڈاکٹروں کی تعداد

آخری اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ اسوقت فلسطین میں کُل ۵۴۴ ڈاکٹر ہیں۔ اِن میں ۳۷۳ یہودی ہیں، ۴۸ عرب ہیں ۱۲۳ یورپین ہیں۔ یہودی ڈاکٹروں میں ایک تہائی عورتیں ہیں۔

امیر عبد اللہ

اخبارات نے امیر عبد اللہ کی ایک ملاقات کا حال شایع کیا ہے جو اُنھوں نے ایک مصری اخبار نویس سے حال میں کی تھی۔ امیر نے کہا:

"مصر میں ذہنی بیداری اس طرح اُبل رہی ہے جس طرح کڑھتا اُبلتا ہے۔ اس کے مستقبل اور نتیجہ کے متعلق ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا قدیم خیالات و افکار کے باب میں فکر کی آزادی میرے نزدیک نہایت مستحسن ہے۔ تجدید و اجتہاد میں جو چیز مجھے بہت پسند ہے وہ اعتدال ہے جلد بازی اور شرقی فضائل و اخلاق کی تحقیر مجھے پسند نہیں"

مصر کی سیاسی بیداری کے متعلق امیر نے گفتگو کرنے سے انکار کیا۔ البتہ ڈرتے ڈرتے اتنی تصریح کی "مصر کے دوستوں کو یہ بیداری بہت مرغوب ہے"

اپنی ریاست کے متعلق اُنھوں نے کہا "میں اپنے ملک کو وہ تمام دستوری (پارلیمنٹری) حقوق دینا پسند کرتا ہوں جو اُسکے لئے مضر نہ ہوں" اور اُس کی "عقلی استعداد" کے مطابق ہوں"

انگریزی معاہدہ کے متعلق کہا "معاہدہ ابھی آخری منزل میں نہیں پہونچا ہے۔ البتہ گفت و شنید ختم ہو گئی ہے۔ ممکن ہے مزید ترمیم ہو۔ بہرحال مجھے یقین ہے کہ یہ ویسا ہی معاہدہ ہوگا جیسا برطانیہ نے عراق سے کیا ہے"

اپنے والد شریف حسین سابق شاہ حجاز کے بارے میں اُنھوں نے کہا "اپنی آخری حاضری کے وقت میں نے عرض کیا تھا کہ کسی دوسرے ملک میں اقامت اختیار کریں۔ مگر اُنھوں نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ میرے والد قبرص میں محض اپنی خوشی سے مقیم ہیں۔ وہ بالکل آزاد ہیں جس ملک میں چاہیں قیام کر سکتے ہیں"

فلسطین کی ایک بڑی ہی شخصیت

فلسطین کے ایک ممتاز اور معزز سیاسی رہنما موسیٰ کاظم پاشا حسینی ہیں۔ شروع سے وطن کی آزادی کے لئے کوشاں ہیں۔ قومی انجمن کے فی الحال صدر ہیں۔ اخبارات نے اُن کی ایک سیاسی گفتگو شایع کی ہے۔ یہ فلسطین کی عام رائے کی صحیح ترجمانی کرتی ہے۔ اُس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

"ملک کا مطالبہ یہ ہے کہ قومی حکومت دستوری بنیادوں پر قائم ہو۔ قومی مجلس اُس کی پشت پناہ اور نگراں ہو دنیا کی تمام حکومتوں کی طرح یہ حکومت بھی صرف ملکی مجلس ہی کے سامنے جوابدہ ہو۔ ہم برطانوی حکمبرداری تسلیم نہیں کرتے۔ زیادہ سے زیادہ ہم یہ کر سکتے ہیں کہ ایک معین مدت تک کے لئے اپنے خارجی معاملات اجنبیوں کے ہاتھ میں رہنے دیں۔ لیکن ہم کامل اندرونی آزادی چاہتے ہیں ہم سردست اپنے ملک کے لئے وہی سیاسی حیثیت چاہتے ہیں جو عراق کو حاصل ہے۔ یعنی ہم انگریزوں سے اس شرط پر معاہدہ کر سکتے ہیں کہ ملک کی اندرونی آزادی محفوظ رہے اور دستوری حکومت قائم کرنے دیجائے۔ ہماری راہ میں سب سے بڑی مشکل یہودی قوم ہے ہم یہودیوں سے کوئی عداوت نہیں رکھتے۔ ہم اپنے ملک میں اُن کا خیر مقدم کرنے کے لئے ہر وقت تیار ہیں۔ مگر وہ زیادتی کرنا چاہتے ہیں ہمارے ملک کو غصب کرنا چاہتے ہیں، یہ بات ہم کبھی منظور نہیں کر سکتے۔ عربوں کو برطانیہ سے بیشمار شکایتیں ہیں۔ سب سے بڑی شکایت یہ ہے کہ اُسنے اُن کی آزادی سلب کر لی۔ دوسری شکایت یہ ہے کہ تقریباً تمام اعلیٰ اور درمیانی عہدے یہودیوں اور انگریزوں کے لئے خاص کر دیے، تیسری یہ کہ انگریزی حکومت نے ہماری تعلیم اپنے قبضہ میں کر لی ہے جس سے ملک کو سخت نقصان پہنچ رہا ہے۔ چوتھی یہ کہ بیشمار ٹیکس غریب ملک کو تباہ کر رہے ہیں۔ پانچویں یہ کہ ظالمانہ قانون جاری کئے گئے ہیں۔ اس قانون سے بڑھ کر اور کیا ظلم ہوگا کہ حکومت جسے مشتبہ سمجھے ۶ مہینے کے لئے بغیر مقدمہ چلائے قید کر سکتی ہے"

مکتوبِ مصر

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قاہرہ کے قلم سے)
(اصل عربی سے اُردو میں ترجمہ کیا گیا)

مصر و برطانیہ کی نزاع

"قوم کی روح کو نہ کبھی قانون مغلوب کر سکتا ہے نہ ظالم کا ظلم، نہ دنیا کی بڑی سے بڑی سلطنت کی قوت"

(سعد پاشا زغلول)

مصر کی موجودہ سیاسی جدوجہد کی پوری تاریخ اس ایک جملہ میں پنہاں ہے۔ برطانیہ نے ہر ممکن ذریعہ سے اس چھوٹی سی قوم کو مغلوب و مقہور کرنے کی کوشش کی۔ مگر اس نہتی قوم نے مغلوب ہونے سے ہمیشہ انکار کیا۔ برطانیہ کو مجبوراً ظلم و جور کے ہتیار رکھ دینا پڑے۔ سیاسی بازی گری شروع کی۔ مگر اس قوم نے فریب کھانے سے بھی انکار کر دیا۔ برطانیہ کا آخری اور خطرناک حربہ، زیور پاشا کی وزارت تھی۔ یہ شخص مصری تھا مگر برطانیہ سے زیادہ مصر کے لئے مُضر تھا۔ اسنے ملک کی سیاسی زندگی کا گلا گھوٹنے کی پوری کوشش کی، مگر قوم نے اُسے بھی چشم زدن میں گرا دیا۔ آج مصر پر حکومت خود مصر ہی کی ہے۔ آج مصر کی حکومت، عام رائے کے ماتحت ہے۔ عام رائے برطانیہ کے خلاف ہے، اس لئے ملک کی حکومت بھی برطانیہ کے خلاف ہے۔ عام رائے ملک میں برطانیہ کا کوئی امتیاز باقی نہ چھ

دینا نہیں چاہتی، اس لئے حکومت بھی برطانوی امتیازات اُٹھا لینے پر تلی ہوئی ہے۔

مصر کی "خود مختاری" تسلیم کرلینے کے بعد بھی برطانیہ نے اپنے لئے کئی حاکمانہ امتیازات باقی رکھے ہیں۔ انگریزی فوج مصر کی سرزمین پر موجود ہے۔ مصری فوج کا سپہ سالار انگریز ہے۔ متعدد انتظامی محکموں پر انگریز عہدہ داروں کی نگرانی ہے۔ طور سینا اور طرابلس کے سرحدی علاقے انگریز افسروں کی ماتحتی میں ہیں۔

ظاہر ہے یہ امتیازات ملکی آزادی اور قومی خود مختاری کے قطعی منافی ہیں۔ ان کی موجودگی میں مصر کا اعلان خود مختاری بالکل بے معنی اور مضحکہ انگیز رہجاتا ہے۔ مصر نے سالہا سال صبر کیا، لیکن اب وہ طیار ہوگیا ہے کہ اپنے حقوق کا آخری مطالبہ شروع کردے۔

انگریز افسروں اور سپہ سالار کی موقوفی

اس سلسلہ میں مصری حکومت کی پہلی کارروائی یہ تھی کہ اُس نے انتظامی محکموں کے تمام انگریز عہدہ دار برخاست کردیے صرف محکمہ عدالت، محکمہ مال، اور بعض دوسرے عہدوں پر گنتی کے انگریز رہنے دیئے، لیکن انکے لئے بھی خاص خاص شرطیں مقرر کردی گئیں یہ واقعہ عدلی پاشا کی وزارت میں ہوا تھا۔ اب ثروت پاشا نے آکر دوسرا قدم اٹھایا ہے، اور یہ قدم نہایت نتیجہ خیز ہے۔ مصری پارلیمنٹ کی جنگی کمیٹی نے طے کرویا کہ سردار سپاہ کا عہدہ توڑ دیا جائے اور اُس کے اختیارات ایک جنگی مجلس کے سپرد کردیے جائیں۔ حکومت نے بھی یہ تجویز پسند کی اور اُسے جاری کرنا چاہا۔ مگر انگلستان اپنے غاصبانہ دعووں سے دست بردار ہونے کے لئے طیار نہیں ہے۔

برطانیہ کا دعویٰ ہے کہ ۲۸ فروری ۱۹۲۲ء کی تصریح میں یہ طے پاگیا ہے کہ مصری فوج انگریزی سردار سپاہ کے ماتحت رہے گی۔ حالانکہ یہ دعویٰ سراسر بے بنیاد ہے۔ اس تصریح میں فوج کا مطلقاً کوئی ذکر نہیں ہے اور نہ صرف اس تصریح میں بلکہ ۱۹۲۲ء سے ۱۹۲۷ء تک کے کسی معاہدہ یا گفت و شنید میں اس کا ذکر نہیں پایا جاتا۔ مصری حکومت کی حجت یہ ہے کہ انگریزی حمایت (پروٹیکٹوریٹ) کے زمانہ میں مصری فوج "سردار" کے ماتحت تھی لیکن اب اعلان خود مختاری کے بعد کوئی وجہ نہیں کہ قدیم نظام باقی رکھا جائے۔

غرضکہ اس وقت یہ مسئلہ برطانیہ اور مصر کے درمیان سخت نزاع کا موجب ہوگیا ہے۔ طرفین اپنی اپنی بات پر اڑے ہوئے ہیں اور ایک قدم بھی پیچھے ہٹنا منظور نہیں کرتے۔ اس مسئلہ کی اہمیت صاف ظاہر ہے۔ انگریز سپہ سالار کی ماتحتی میں مصری فوج رہنے کے معنی بجز اس کے کچھ نہیں ہیں کہ یہ فوج بھی انگریزوں ہی کی ہے۔ برطانیہ خوب سمجھتا ہے کہ "سردار" کی موقوفی کے بعد مصر کو جنگی قوت حاصل ہوجائے گی اور زبردستیوں کا وہ سلسلہ بند ہوجائے گا جو مدت سے برطانیہ جاری کئے ہوئے ہے۔

لارڈ جارج لائڈ کی بے ضابطگی

ابھی یہ معاملہ طے نہیں ہوا تھا کہ ایک اور نئی مشکل پیدا ہوگئی۔ یہ مشکل برطانوی ہائی کمشنر لارڈ جارج لائڈ نے پیدا کی ہے۔ موصوف چند سال پہلے ہندوستان کے ایک صوبہ کے گورنر تھے۔ ہندوستان سے انگلستان واپس ہوئے اور فوراً مصر بھیجدیے گئے۔ مصر پہونچکر انھیں یاد نہیں رہا کہ اب ایک ایسے ملک میں آئے ہیں جو ہندوستان کی طرح برطانیہ کے ماتحت نہیں ہے۔ بات بات میں حاکمانہ شان دکھانے لگے۔ قاہرہ میں اُن کی آنکھیں شاہی استقبال اور مظاہر عبودیت ڈھونڈھتی تھیں۔ یہاں اس کا امکان نہ تھا۔ مایوس ہوکر دیہاتی علاقوں پر نظر ڈالی۔ وہاں علاقہ "منیا" میں چند قدیم الدار خائن موجود ہیں۔ اُنھوں نے ممدوح کی خواہش پوری کردی۔ ایک پرتکلف دعوت کا اہتمام کیا گیا۔ یہ اسپشل ٹرین پر دہوم دھام سے پہنچے۔ خشوع و خضوع کے مظاہرے قبول کئے، اور کسانوں میں بالکل ویسی ہی حاکمانہ تقریر کی جیسی تقریروں کے وہ ہندوستان میں عادی رہ چکے ہیں۔

لیکن جب اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی، تو عام رائے میں سخت برہمی پیدا ہوگئی۔ ہر طرف سے اعتراض شروع ہوا کہ برطانوی ہائی کمشنر کو اس کارروائی کا کیا حق تھا؟ اخبارات سے گزر کر یہ معاملہ پارلیمنٹ تک پہنچا۔ وہاں ممبروں نے نہایت سخت نکتہ چینی کی اور حکومت کو مجبور کیا کہ جواب طلب کرے۔

سب کو معلوم ہے کہ مصری پارلیمنٹ پر زغلول پاشا کی وطن پرست پارٹی حاوی ہے۔ اس واقعہ سے فائدہ اُٹھاکر انگریزی اخبارات نے لکھنا شروع کردیا ہے کہ برطانیہ کی مخالفت صرف یہی جماعت کر رہی ہے۔ حالانکہ یہ قطعًا غلط ہے۔ برطانیہ کی مخالفت پر تمام جماعتیں متحد ہیں۔ ذیل میں ہم چند اقتباس صرف اُن تقریروں کے دیتے ہیں جو معتدل جماعت کے سربرآوردہ ممبروں نے اس معاملہ پر پارلیمنٹ میں کی ہیں۔

حسین یوسف عامر آفندی نے کہا "ہمیں برطانوی نمائندہ سے صاف کہدینا چاہئے کہ مصر اپنی آزادی کسی قیمت پر بھی فروخت کرنے کے لئے طیار نہیں۔ اگر ہم نے برطانیہ کے ساتھ مفاہمت کی پالیسی پسند کی تھی تو صرف اس لئے کہ ہمیں یہ پالیسی مصر کی خود مختاری کے لئے مفید معلوم ہوئی تھی۔ اگر برطانیہ ہماری ملائمت سے ناجائز فائدہ اُٹھانا چاہتا ہے تو ہم اپنی پالیسی بدل ڈالنے میں ایک لمحہ بھی پس و پیش نہیں کرینگے"

ابراہیم دسوقی آفندی نے کہا "برطانوی نمائندے کو حق ہے کہ ملک کے جس حصہ میں چاہے سیر کرے۔ نیز ملکی خاندانوں کو بھی حق ہے کہ جس طرح چاہیں اُس کی آؤ بھگت کریں لیکن ساتھ ہی برطانوی نمائندے کو یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ مصر ایک آزاد ملک ہے، اور یہ کہ اس سرزمین میں جب 'ملک' کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے مقصود صرف وہ ہستی ہوتی ہے جو مصر کے تخت پر بیٹھی ہے۔ میں اُس پالیسی کے ہرگز کوئی معنی نہیں سمجھتا جس کا نتیجہ ملک کی خود مختاری کی قطعی پامالی ہو"

طلعت علی آفندی نے کہا "مصر کی مصالحانہ پالیسی کو اُس کی کمزوری پر محمول نہیں کرنا چاہئے۔ ہم کمزور نہیں ہیں۔ ہمارے پاس حق ہے اور ہم حق کی قوت سے قوی ہیں"

سب سے زیادہ اہم اور پُر زور تقریر، معتدل جماعت کے مشہور زعیم ابراہیم الہبادی بک کی تھی۔ یہ وہی شخص ہیں جو ایک زمانہ میں برطانیہ کے بڑے مداح اور مخلص خدمت گذار تھے۔ ۱۹۰۹ء کے مشہور حادثہ "دنشوائی" میں انہی نے انگریز مجرموں کی طرف سے قانونی پیروی کی تھی اور اُنھیں سزا سے بچالیا تھا۔ انھوں نے اپنی تقریر میں کہا:

"بہت سی تقریریں ہوچکی ہیں۔ لیکن معاملہ اس قدر اہم ہے کہ میں بھی گفتگو کرنے پر مجبور ہوں۔ دنیا دیکھ لے کہ میں نوجوان نہیں ہوں، میرا سر سفید ہوگیا ہے۔ بڑھاپا اپنی جملہ کمزوریوں کے ساتھ مجھ پر ٹوٹ پڑا ہے۔ کوئی یہ نہ کہے کہ مصری پارلیمنٹ پُرجوش نوجوانوں کے تہور کا ساتھ دے رہی ہے۔ میں سعد پاشا کی جماعت میں سے بھی نہیں ہوں۔ البتہ میں مصری ہوں، اور چونکہ تمام مصر برطانوی نمائندے سے نالاں ہے اس لئے قدرتی طور پر میں بھی نالاں ہوں۔ اس برطانوی نمائندے نے سیاسی دستور العمل کی خلاف ورزی کی ہے۔ اُسنے ہمارے ملک کی آزادی کے لئے خطرہ بہم پہنچایا ہے..."

پارلیمنٹ میں اُس مصری پولیس افسر پر بھی ٹپہ لے دے ہوئی جسنے "منیا" میں لارڈ جارج لائڈ کی تقریر ترجمہ کی تھی۔ ایک مقرر اس مناسبت سے نپولین اعظم کا یہ تاریخی واقعہ بیان کیا "ایک لڑائی میں دشمن فوج کے ایک بڑے افسر نے نپولین کے لئے جاسوسی کی جس سے بالآخر بادشاہ کو فتح ہوئی۔ فتح کے بعد جاسوس طرح طرح کی امیدیں لے کر نپولین کے خیمہ کی طرف دوڑا۔ وہ یقین کرتا تھا کہ اس شاندار خدمت پر اُس سے مصافحہ کرے گا اور اپنے سینہ سے لگائے گا۔ لیکن نپولین نے جونہی اُسے دیکھا، ناگواری کے ساتھ اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ ایک لمبی ناکٹھی کے سرے پر اشرفیوں کی تھیلی لٹکائی اور جاسوس سے کہا "یہ ہے تیرا صلہ، لے لے۔ تیرے جیسے خائن سے میں اپنا ہاتھ مس کرنا پسند نہیں کرتا"

ابراہیم الہبادی بک نے سلطان عبد العزیز کا بھی ایک واقعہ بیان کیا۔ انھوں نے کہا "ستر برس گزرے سلطان عبد العزیز نے فرانس کی سیاحت کی تھی۔ ایک دن وہ پیرس میں جارہے تھے۔ نپولین ثالث شاہ فرانس اُنکے پہلو میں بیٹھا تھا۔ سلطان فرانسیسی زبان نہیں جانتے تھے۔ لیکن ترکی وزیر خارجہ راشد پاشا جانتے تھے اور دونوں فرمانرواؤں کی گفتگو کا ترجمہ کرتے جاتے تھے۔ نپولین نے راشد پاشا سے کہا "سلطان المعظم سے کہو کہ جزیرہ کریٹ میں اپنی رعایا پر رحم کریں اور نئے انتظامات جاری کریں" راشد پاشا نے اس کا ترجمہ ترکی میں اپنے آقا کو سنایا۔ اس پر سلطان کا جواب کیا تھا؟ بالکل خاموش ہوگئے، گویا سنا ہی نہیں۔ نپولین نے خیال کیا مطلب نہیں سمجھے۔ راشد پاشا سے پھر ترجمہ کرنے کو کہا۔ مگر اُس نے محسوس کرلیا تھا کہ سلطان ناراض ہوگئے ہیں چنانچہ دوبارہ ترجمہ کرنے سے معذرت کی۔ اس کے بعد کیا ہوا؟ سلطان نے اپنی قیام گاہ پر پہنچتے ہی عالی پاشا وزیر اعظم کو طلب کیا اور حکم دیا کہ فوراً راشد پاشا وزیر خارجہ کو برطرف کردو۔ وزیر کو اس اچانک عتاب پر سخت تعجب ہوا۔ ڈرتے ڈرتے سبب پوچھا۔ سلطان نے کہا "راشد پاشا نے ایک ایسے جملہ کا ترجمہ مجھے سنایا جو ہرگز سنانا نہیں چاہئے تھا کیونکہ وہ میرے ساتھ بطور مترجم کے نہیں تھے۔ وزیر خارجہ کی حیثیت سے تھے۔ میرے وزیروں کو معلوم ہونا چاہئے کہ کون بات میری سلطنت کے مصالح اور عزت کے مطابق ہے کون مخالف ہے۔ جب ایک اجنبی بادشاہ نے ایک ایسی بات منہ سے نکالی تھی جس سے میری سلطنت کے معاملات میں مداخلت پائی جاتی ہے تو میرے وزیر خارجہ کا فرض تھا کہ اُس بات کا مجھے ترجمہ سنانے سے صاف انکار کردیتا!"

ایک اور مشکل

لارڈ جارج لائڈ کی اس کارروائی نے ایک اور معاملہ کی یاد تازہ کردی ہے۔ عام سیاسی دستور یہ ہے کہ جب کسی سلطنت کا سفیر یا نمائندہ دوسرے ملک میں پہنچتا ہے تو اُس ملک کی حکومت کے سامنے اپنی تقرری کے کاغذات پیش کرتا اور اُس کی منظوری حاصل کرتا ہے۔ مصر میں بھی یہی دستور جاری تھا۔ جنگ سے پہلے تک جتنے برطانوی نمائندے آئے اپنے کاغذات خدیو کے سامنے پیش کرتے رہے۔ لارڈ کچنر نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ لیکن دوران جنگ میں یہ رسم موقوف ہوگئی کیونکہ اب مصر خود مختار نہیں رہا تھا۔ برطانیہ کا ایک مقبوضہ ملک تھا۔ مصر کے اعلان خود مختاری کے بعد سب سے پہلا برطانوی نمائندہ، یہی لارڈ جارج لائڈ تھے۔ یہ دسمبر ۱۹۲۵ء میں پہنچے۔ خیال تھا کہ اپنے کاغذات شاہ مصر کے سامنے پیش

۔ مگر اُنھوں نے ایسا نہیں کیا۔ اسوقت مصر کے وزیر اعظم نہ کے ساختہ پرداختہ احمد زیور پاشا تھے۔ اُنھوں نے اس واقعہ پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اب لارڈ جارج کی سیاحت مینا" یہ سوال مصری پارلیمنٹ میں پیدا کردیا ہے، سوال یہ ہے کہ لارڈ برج مصر میں برطانوی نمائندے کیونکر ہوسکتے ہیں جبکہ اُنھوں نے مصر کے سامنے اپنے کاغذات پیش نہیں کئے؟

اس قانونی سوال کا جواب وزیر اعظم نے یہ دیا ہے کہ "سفراء کا کاغذات پیش کرنا، قرون وسطیٰ کی رسم ہے جبکہ بادشاہ باہم ایک دوسرے سے خط و کتابت کرتے تھے۔ موجودہ زمانہ میں یہ رسم کوئی نہیں رکھتی اور بعض حکومتوں، مثلاً سوئٹزرلینڈ نے اسے بالکل ترک کردیا ہے۔ تاہم ابتک یہ رسم اکثر ملکوں میں باقی ہے اور مصر میں بھی۔ لہذا اگرچہ زیور پاشا کی وزارت نے برطانوی نمائندے اس فروگذاشت پر کوئی اعتراض نہیں کیا تاہم ابھی وقت ہے، وزارت حکومت برطانیہ سے اس بارے میں گفتگو کریگی۔

"ہائی کمشنر"؟

دوران بحث میں ایک اور قانونی سوال پیدا ہوگیا۔ برطانوی نمائندہ "ہائی کمشنر" کیوں کہلاتا ہے؟ حالانکہ عام طور پر سیاسی نمائندے اس لقب سے نہیں پکارے جاتے۔

اس کے جواب میں وزیر اعظم نے بیان کیا "بین الاقوامی کتب قانون میں عام طور پر سیاسی نمائندوں کا لقب

"Minstre Plenipotenitare"

یا "Ambassadeur" ہے۔ لیکن بعد میں ایک نیا لقب "ہائی کمشنر" کے نام سے رائج ہوگیا۔ یہ لفظ بین الاقوامی کتب قانون میں شاذ و نادر ہی کہیں نظر آتا ہے۔ بین الاقوامی طریق عمل نے بھی اس کے معنی ابتک پوری طرح متعین نہیں کئے ہیں۔ تاہم اس قدر طے پاگیا ہے کہ یہ لقب ایسے دو ملکوں کے سیاسی نمائندوں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جن کے سیاسی علائق صاف بنیادوں پر قائم نہیں ہوتے۔ یہی سبب ہے کہ معاہدۂ لوزان سے پہلے جدید ترکی میں انگلستان اور فرانس کے سیاسی نمائندے "ہائی کمشنر" کہلاتے تھے۔ اسی طرح اسوقت ولایات متحدۂ امریکہ میں کنیڈا کا سیاسی نمائندہ "ہائی کمشنر" کہلاتا ہے۔ حالانکہ ایک لمحہ کے لئے بھی کنیڈا کو امریکہ کے زیر اثر نہیں کہا جاسکتا۔ اعلان خود مختاری سے پہلے مصر میں انگریزی نمائندہ اسی لقب سے یاد کیا جاتا تھا اس لئے اب تک اسی لقب سے پکارا جاتا ہے، کیونکہ مصر اور برطانیہ کے سیاسی علائق متعین اور صاف بنیادوں پر قائم نہیں ہیں"

محمل مصری

اس سال محمل مصری مکہ معظمہ نہیں گئی۔ وجہ یہ ہوئی کہ گزشتہ سال موسم حج میں ایک ناگوار واقعہ پیش آگیا تھا۔ کئی صدیوں سے یہ رسم چلی آتی ہے کہ محمل کے ساتھ ایک مصری فوج اور توپخانہ جاتا ہے۔ اس کی ضرورت اس لئے پیش آئی تھی کہ اُسوقت حجاز میں امن پوری طرح قائم نہ تھا اور مقامی حکومت، محمل کی حفاظت کی ذمہ داری نہیں لیتی تھی۔ حسب عادت گزشتہ سال بھی محمل کے ساتھ مصری فوج گئی۔ نجدیوں سے اُس کا بعض امور میں اختلاف ہوا اور اختلاف نے کشت و خون کی صورت اختیار کرلی۔ اس نزاع میں بہت سے نجدی مارے گئے کیونکہ وہ نہتے تھے اور مصری فوج کا کوئی قابل ذکر نقصان نہیں ہوا۔

اس واقعہ کے بعد سلطان ابن سعود نے حکومت مصر کو لکھا کہ آئندہ سے محمل کے ساتھ مسلح فوج نہ آئے۔ مصری حکومت نے اسے منظور نہیں کیا کیونکہ گذشتہ سال کے واقعہ کے بعد خطرہ کا امکان اور زیادہ بڑھ گیا ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ محمل کی روانگی ملتوی رہی۔

سلطان ابن سعود نے اپنی خواہش کے جواز پر تین دلیلیں پیش کی تھیں۔ ایک یہ کہ اب حجاز میں ہر طرح امن امان ہے اور حجاز کی حکومت محمل اور حجاج کی حفاظت کی ذمہ داری لیتی ہے۔ دوسرے یہ کہ کسی سلطنت میں غیر سلطنت کی مسلح فوج کا داخل ہونا، اُس کی خودمختاری کے منافی ہے۔ تیسرے یہ کہ شرعی احکام کے بموجب بھی یہ مناسب نہیں کہ ہتیار بند فوج بلا ضرورت حدود حرم میں داخل ہو۔

مصری حکومت نے اپنے انکار کی دو وجہیں قرار دی ہیں: ایک یہ کہ کئی صدیوں سے برابر یہ رسم چلی آتی ہے۔ دوسرے یہ کہ اُسے حکومت حجاز کی اس ذمہ داری پر پورا اطمینان نہیں ہے کہ وہ محمل اور مصری حاجیوں کی حفاظت کرسکے گی۔

بہرحال اس سال محمل نہیں گیا۔ البتہ مصری حاجیوں کی ایک بڑی تعداد حج کے لئے روانہ ہوگئی ہے۔

مکتوب چین

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم شنگھائی کے قلم سے)

اس وقت چین کی کیا حالت ہے؟

یہ سوال ہے جو بیرونی دنیا میں عام طور پر پوچھا جارہا ہے۔ مگر کوئی صاف جواب نہیں ملتا۔ کیونکہ برطانی دعایۃ (پروپیگنڈا) نے اصلیت پر پردے ڈال دیئے ہیں اور اس قدر غلط فہمیاں پھیلادی ہیں کہ حقیقت معلوم کرنا بہت مشکل ہوگیا ہے۔

برطانیہ کو پورے چین سے پرخاش نہیں ہے۔ شمالی حکومت تو اُس کے زیر اثر ہے۔ اس لئے باوجود حد درجہ بدنظمی اور عام بدامنی کے اس حکومت کے خلاف اُس کی زبان نہیں کھل سکتی۔ بلکہ اُلٹی تعریفیں کی جارہی ہیں۔

لیکن چین کی جنوبی حکومت کے خلاف اُس کے پریس کی تمام قوتیں وقف ہوگئی ہیں۔ جتنی بھی برائیاں ہیں۔ سب اُس کے سر تھوپی جارہی ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ یہ حکومت قوم پرستوں کی حکومت ہے اور برطانی ملک گیر پالیسی کے خلاف شمشیر کبف ہے!

بیرونی دنیا کو یقین دلایا جارہا ہے کہ جنوبی چین کمیونسٹ روس کے اثر و اقتدار میں ہے۔ وہاں سرے سے کوئی باضابطہ حکومت ہی نہیں ہے۔ قتل و غارت اور بے امنی عام ہے۔ حالانکہ یہ صریح کذب و افترا ہے۔

قوم پرست چین ہرگز روسی کمیونسٹوں کے اثر میں نہیں ہے۔ یہ سچ ہے کہ اُس میں کمیونسٹوں کو بہت قوت حاصل ہے۔ مگر وہ کمیونسٹ روسی نہیں خود چینی ہیں۔ کمیونزم کچھ روس کی ذاتی جائداد نہیں ہے۔ وہ معاشرتی عقائد کا ایک مذہب ہے اور ہر قوم اُسے قبول کرسکتی ہے بغیر اس کے کہ کمیونسٹ روس کے ماتحت یا زیر اثر ہو۔ بلاشبہ قوم پرست چین، روس کی طرف مائل ہے۔ لیکن اس کی وجہ بالکل معقول ہے۔ وہ روس ہی ہے جس نے دول یورپ کے جتھے سے نکلکر چین کے ساتھ انصاف کیا اور وہ تمام مراعات ازخود چھوڑ دیں جو اُسے پچھلے غاصبانہ معاہدوں کی رو سے حاصل تھیں اور جن کے برقرار رکھنے کے لئے برطانیہ جنگ پر تلا ہوا ہے اور تمام دول یورپ اور امریکہ کو ابھار رہا ہے۔

اسی طرح قومی حکومت کی سرحدوں میں امن و امان بھی عام ہے اتنا عام جتنا دنیا کی باقاعدہ سے باقاعدہ حکومت میں ہوسکتا ہے۔ یہاں چوری، قزاقی کی وارداتیں سنی نہیں جاتیں۔ تقریبا روزانہ بڑے بڑے شہروں میں عظیم الشان جلوس اور مظاہرے نکلتے رہتے ہیں، مگر انتظام ایسا مکمل ہے کہ کبھی کوئی تصادم نہیں ہوتا۔ پھر یہاں ہندوستان کی طرح مذہبی جھگڑے بھی پیدا نہیں ہوتے۔ کوئی مقام نہیں جہاں بودھ، کنفیوشس اور اہل اسلام موجود نہ ہوں۔ بہت سے علاقوں میں دیسی عیسائیوں کی بھی آبادیاں ملی جلی موجود ہیں۔ لیکن سب امن و صلح کے ساتھ رہتے ہیں۔ حکومت قومی ہے اس لئے کبھی کوئی باہمی نزاع پیدا ہی نہیں ہوتی۔

دنیا بھر میں یہ بھی مشہور کردیا گیا ہے کہ جنرل چنک کے شیک کی علحدگی کے بعد قومی حکومت بہت کمزور ہوگئی ہے۔ حالانکہ یہ بھی غلط ہے۔ بلاشبہ جنرل مذکور یورپین اثرات سے متاثر ہوکر قومی حکومت سے باغی ہوگیا۔ یہ بھی سچ ہے کہ اُس کے ماتحت ایک بڑی فوج بھی ہے۔ کئی علاقوں پر قابض ہے اور نان کنگ اُس کا صدر مقام ہے لیکن اس سے مرکزی حکومت کی قوت میں کوئی کمزوری پیدا نہیں ہوئی ہے۔ وہ آج بھی کافی طاقتور ہے اور اُسکی مظفر و منصور فوجیں شمالی چین کو فتح کرتی ہوئی برابر بڑھ رہی ہیں۔

پھر جنرل کے شیک کی بغاوت بھی ابتک ایک معما ہے۔ اسوقت تک مرکزی حکومت سے اُس کا کوئی قابل ذکر تصادم نہیں ہوا۔ اُسنے ہانکو پر حملہ نہیں کیا بلکہ سیدھا شمالی چین کی طرف روانہ ہوگیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اُس کی بغاوت برطانیہ کے لئے عملاً کچھ مفید نہ ہوسکی بلکہ سراسر نقصان ہی پہنچا۔ پہلے اُس کے حلیف شمالیوں پر صرف کنٹونی کا دباؤ تھا۔ اب یہ جنرل الگ ہوکر نئی طاقت سے دہرا دباؤ ڈال رہا ہے۔

علاوہ بریں اگر قوم پرست حکومت کو اس باثر سپہ سالار کی علحدگی سے نقصان پہونچا تو ساتھ ہی قدرت نے اُس کی فوراً تلافی بھی کردی یعین وقت پر چین کا مشہور عیسائی جنرل "فنگ" (جو کئی سال تک پیکن کا حاکم رہ چکا ہے) اُس سے آملا اور اپنی تازہ دم منظم فوج لاکر اُس کی قوت میں نمایاں اضافہ کردیا۔ یہ جنرل اپنی جنگی قابلیت کی ایک پوری تاریخ رکھتا ہے۔ تمام یورپ و امریکہ اور جاپان کے اخبارات ایسے چند سال پہلے تسلیم کرچکے ہیں کہ جیسی باقاعدہ فوج اس کے پاس ہے ایسی دوسرے چینی جنرل کے پاس نہیں ہے۔ لیکن اب جبکہ وہ کمیونسٹ ہوکر قوم پرست حکومت کے جھنڈے تلے آگیا ہے تو کہا جارہا ہے کہ اُس سے برا لٹیرا کوئی نہیں!

یہ اسی جنرل کے اتحاد کا نتیجہ ہے کہ قوم پرست فوجیں تیزی سے پیکن۔ ہانکو ریلوے" اور "ٹین سن۔ پاکو" لائن پر بڑھتی چلی جاتی ہیں۔ ان کی قوت میں برابر اضافہ ہورہا ہے۔ نئی نئی قومیں اُن کی فتوحات دیکھ کر اُن سے ملتی جاتی ہیں۔ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ اہم خبر یہاں کے چینی حلقوں میں یہ پھیلی ہوئی ہے کہ عنقریب صوبہ شانسی" کا جنگی حاکم جنرل "ین ہی۔ شان" قوم پرستوں کی جماعت میں شامل ہونے والا ہے۔ اگر یہ خبر صحیح نکلی تو قومی حکومت کو غیر معمولی قوت حاصل ہوجائے گی۔ (۱۲۔ جون کی سرکاری خبر مظہر ہے کہ یہ جنرل قوم پرستوں سے مل گیا۔ الہلال)

غرضکہ اسوقت چین کی حالت قومی نقطۂ نظر سے بہایت عمدہ اور امید افزا ہے۔ قومی حکومت روزبروز طاقت ور ہورہی ہے۔ پیکن کی (شمالی) حکومت کو سخت زوال ہورہا ہے۔ برطانیہ اور دوسری سلطنتوں میں اس صورت حال سے سخت بےچینی پیدا ہوگئی ہے۔ وہ پیکن کے بچانے کی فکر کررہی ہیں۔ لیکن کامیابی کی کوئی امید نظر

بریدِ فرنگ

جرمنی کی چٹھی

کمزور قوموں کے لئے عبرت و موعظت

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم برلن کے قلم سے)

گزشتہ جنگ عظیم میں جتنی بربادیاں جرمنی پر آئیں، اُن کا تصور بھی بیرونی دُنیا نہیں کرسکتی۔ جنگ نے جرمنی کو بالکل دیوالیہ کر دیا تھا۔ تمام خزانے خالی ہوگئے تھے۔ صنعت و حرفت فنا ہوگئی تھی۔ لاکھوں کی تعداد میں نوجوان قتل ہوئے تھے اور لاکھوں کی تعداد میں بیکار ہوگئے تھے۔ پورا ملک فقر و فاقہ میں مبتلا تھا پھر جنگ، شکست پر ختم ہوئی۔ ایسی شکست جس کی نظیریں تاریخ میں کم ملتی ہیں۔ تمام بیرونی مقبوضات نکل گئے۔ ۱۳ فی صدی اصلی ملک کم ہوگیا۔ ۱۰ فیصدی آبادی نکل گئی۔ ۷۵ سے ۷۵ فی صدی تک قیمت کی خام پیداوار جاتی رہی۔ مزید براں یہ کہ اس برباد شدہ ملک پر تاوان جنگ کا اتنا بھاری بوجھ ڈالدیا گیا جس کی مثال دُنیا نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔

جرمنی کے دوست اور دشمن دونوں یقین کرتے تھے کہ اب اس ملک کی تاریخ ختم ہوگئی۔ اتنی سخت ضربوں کے بعد بھی کبھی کوئی بچا ہے؟ لیکن پورے دس برس بھی ابھی اسی نہیں گزرے تھے کہ یہ مردہ پھر قبر سے نکل آیا اور اس طرح زندہ ہوگیا کہ سچ مچ طلسم معلوم ہوتا ہے۔ جرمنی نے جو معجزہ دکھایا ہے اُس کے بیان کے لئے ہومر جیسے شاعر کی ضرورت ہے۔

آج جرمنی، پھر اول درجہ کی یورپین طاقت بنتی جاتی ہے مجلس اقوام میں اسوقت اُسے وہی مرتبہ حاصل ہے جو برطانیہ اور فرانس کو ہے جنھوں نے آج سے ۸ برس پہلے ورسیلز کے محل میں جھکر اُس کا گلا گھونٹا تھا۔ آج سے دو برس پہلے جرمنی کا سکہ تباہ ہوگیا تھا۔ نجات کی کوئی صورت بھی نظر نہ آتی تھی۔ مگر آج جرمنی دنیا کی تیسری اقتصادی قوت ہے اور برطانیہ اور امریکہ کے بعد سب سے بڑی تجارت کا مالک بن گیا ہے۔ اسوقت اُس کی صنعت و حرفت نہایت تیزی سے اُس سطح تک آرہی ہے جہاں جنگ سے پہلے تھی!

آخر اس حیرت انگیز کامیابی کا راز کیا ہے؟ جواب بالکل صاف ہے۔ اس ملک پر ایک سرسری نظر ڈالتے ہی سے معلوم ہو جاتا ہے۔ جرمنی کو جس چیز نے موت کے منہ سے نکالا وہ اُسکی ہمت، محنت، اشتراک عمل، اور اپنی حالت کا صحیح اندازہ لگا لینا ہے۔ جرمن قوم کی یہ امتیازی صفت ہے کہ فتح و شکست دونوں حالتوں میں بہادر رہتی ہے۔ قوم کے تمام افراد اور جماعتوں میں اتنی بڑی خود اعتمادی موجود ہے جو دنیا کی کسی دوسری قوم میں پائی نہیں جاتی۔ دراصل یہی خود اعتمادی اُس کی کامیابی کا اصلی راز ہے۔

جرمنی کی موجودہ ترقی صرف پچھلے تین سال سے شروع ہوئی ہے۔ یہ ملک تقریباً اُن تمام اقتصادی مشکلات پر غالب آگیا ہے جو یورپ کی اکثر سلطنتوں کی زندگی خطرے میں ڈالے ہوئے ہیں۔ جرمنی نے سب سے پہلے اپنے سکّے کی طرف توجہ کی۔ اسوقت دنیا میں جرمنی ہی وہ ملک ہے جس کا سکّہ اپنی حقیقی قیمت پر قائم ہے۔

جن لوگوں نے جرمنی کو دوران جنگ میں دیکھا ہے وہ موجودہ حالت میں دیکھ کر ضرور دنگ ہوجائیں گے۔ جرمنی کے تاریک دن نکل گئے۔ درخشاں مستقبل صاف نظر آرہا ہے۔ برلن اب پھر عروس البلاد ہے۔ جنگ سے پہلے پیرس، وائنا، اور برسلز میں بھی وہ عظمت و جلال موجود نہ تھا جو آج برلن میں ہر طرف دیکھا جاسکتا ہے!

تمند فرانس منحوس دنوں کا انتظار کر رہا ہے جیسا کہ ایک فرانسیسی وزیر نے حال میں اعلان کیا ہے۔ صرف دولتمندوں نے پیرس کی طرف سے منہ پھیر لیا ہے، اس لئے فرانس کے پائے تخت پر ہر جگہ اُداسی چھاگئی ہے۔ لیکن برلن کے تھیٹر اور کلب گرمیش پسند امیروں سے لبریز ہیں۔

آج جبکہ تمام یورپ فقیر ہو رہا ہے اور روز بروز دولت کم ہو رہی ہے، جرمنی کی دولت میں روز افزوں ترقی ہے۔ سرکاری اعداد و شمار سے معلوم ہوا ہے کہ گزشتہ سال جرمن عورتوں نے صرف اپنے لباس پر ۲۷ کرور روپیہ صرف کیا تھا! ممکن ہے آپ خیال کریں بحالت موجودہ یہ جرمن عورتوں کا تباہ کن اسراف ہے، لیکن ایک جرمن وزیر نے جس روشنی میں اسے دیکھا ہے وہ آپکے خیال سے بالکل مختلف ہے۔

وزیر موصوف نے عورتوں کے اس اسراف کے بارے میں کہا "گزشتہ زمانہ میں ہمارے لئے کچھ مشکل نہ تھا کہ سال میں کپڑوں کے دو جوڑے دیکر عورتوں کو مطمئن کردیتے۔ ایک جوڑے میں بھی کام نکل جایا کرتا تھا۔ لیکن اب حالت بالکل بدل گئی ہے۔ پہلے سال بھر کے کپڑوں میں جتنا خرچ ہوتا تھا اُس سے زیادہ اب عورتوں کی ریشمین جرابوں میں صرف ہوجاتا ہے۔ اگر گھر میں کم سے کم بارہ جوڑے موجود نہ ہوں تو عورت شکایت کرتی ہے کہ پہننے کو کچھ بھی نہیں ہے! لیکن میں عورتوں کو ہرگز ملامت نہیں کروں گا۔ دراصل ہمیں اُن کا شکرگزار ہونا چاہیے۔ اس اسراف سے وہ ملک کی بڑی خدمت انجام دے رہی ہیں۔ جنگ نے ہماری ہمتیں پست اور ڈولے سرد کر ڈالے تھے۔ ہم کر کھو لکر کاہلی کی زندگی پر اُتر گئے تھے۔ مگر ہماری عورتیں اُٹھیں دل کھولکر خرچ کرنے لگیں، اور اس طرح مردوں کو مجبور کردیا کہ زیادہ سے زیادہ محنت کرکے ملک کے لئے دولت پیدا کریں"

تازہ ترین اعداد و شمار سے ثابت ہوتا ہے کہ اسوقت افراد کی شخصی آمدنی ۵۰،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰ مارک سالانہ ہے۔ گویا ہر فرد کی آمدنی ۷۹۰ مارک ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جرمنی اپنی جنگ سے پہلے کی خوشحالی کے قریب پہنچ گیا ہے۔ جنگ سے پہلے افراد کی آمدنی اس سے صرف ۱۵ فیصدی زیادہ تھی۔

جرمنی کی صنعتی ترقی کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ۱۹۲۰ء میں برآمد کی قیمت ۷۰۰،۰۰۰،۰۰۰،۱۵۵ مارک تھی لیکن ۱۹۲۶ء میں بڑھ کر ۹،۸۸،۹۰،۰۰،۰۰۰ مارک تک پہنچگئی ہے۔ جرمنی کا تجارتی بیڑہ تباہ ہوگیا تھا لیکن اب پھر اس کا بیڑہ سمندروں میں پھیلا نظر آرہا ہے۔ ۱۹۲۰ء میں یہ بیڑہ صرف ۶۰۰،۰۰۰،۰۰۰ ٹن وزن کا تھا۔ اب ۱۹۲۶ء میں اُس کا وزن ۳۲۰،۰۰،۰۰،۰۰۰ ہوگیا ہے۔ جرمنی کی خوشحالی اب اس درجہ پر پہنچ گئی ہے کہ حکومت نے ارادہ کیا ہے "ایمن" اور "ماڈیرہ" کے دو زرخیز علاقے مجبور کو خریدلے!

جرمنی کی موجودہ خوشحالی کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ اسوقت کام کرنے والوں کی تعداد پہلے سے بہت زیادہ ہوگئی ہے۔ جنگ سے پہلے جو لوگ بیکاری کی زندگی بسر کرتے تھے اب وہ کام کرنے پر مجبور ہوگئے ہیں۔ اسوقت ملک میں ۱،۷۰،۵۰،۰۰۰ آدمی شدید محنت کے کام کر رہے ہیں، حالانکہ جنگ سے پہلے ایسے محنتی کارکنوں کی تعداد اس سے آدھی تھی۔

مکتوبِ فرانس

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم پیرس کے قلم سے)

فرانس کی عظمت!

۸ مئی کو نوبجے کے تڑکے پیرس کے آسمان پر ایک عظیم نقش اُڑتی دکھائی دی۔ اس پر ایک بڑی انسانی کھوپڑی، دو بھیانک ہڈیوں اور دو روشن شمعوں کی تصویریں بنی تھیں!

یہ نقش نہ تھی، فرانس کی قومی عظمت تھی، اور تاریخ کی ابدیت کی طرف جارہی تھی۔ یہ علم و حکمت، وہ انسانی اولوالعزمی کے میدان میں فرانس اور امریکہ کا مقابلہ تھا، اور بالآخر خوفناک موت کی طرف جانے والا تھا۔

امریکہ کی طرف سے اعلان ہوا: "ہم بحر اعظم اٹلانٹک کو بلا انقطاع ایک ہی پرواز میں عبور کرلیں گے۔ نیویارک سے اُڑینگے اور پیرس میں جاکر دم لیں گے!" فرانس نے سنا تو اُسے اس اعلان میں اپنی عظمت کی تحقیر محسوس ہوئی۔ اُسے کہا "قبل اس کے کہ تم پیرس آؤ اور تاریخ کی لازوال شہرت حاصل کرو۔ ہم تم سے بازی لے جائیں گے اور نیویارک پر اپنے جلال کا پرچم اُڑا آئیں گے!"

یہ بہادرانہ الفاظ تھے جو فرانس کی طرف سے کپتان نُنجیسر نے کہے۔

۳۵ سال کی عمر، بھر پور جوانی، دلفریب مردانہ حسن، نازنینان پیرس کی دل پسندیوں کا مرکز۔ یہ نُنجیسر ہے! مگر فرانس کی عظمت سب سے بالاتر ہے!

وہ اُٹھا، اپنے ایک رفیق کو ساتھ لیا۔ اور ہوائی جہاز میں اُڑ چلا۔ اتنی بڑی مہم اور صرف ایک انجن کا جہاز! مخلوق چلائی "موت! موت!" مگر کپتان نے جواب دیا "ہاں فرانس کی عظمت

کے لئے موت! لیکن جری دل موت سے کب ڈرتے ہیں؟"

اضطراب و مسرت!

پورا پیرس ہمہ تن گوش تھا۔ دو دن گزر گئے۔ دوشنبہ کی شام کو میدانوں اور پبلک مقاموں میں ایسا ہجوم تھا جیسا جنگ کے بعد کبھی دیکھا نہیں گیا۔ مضطرب دل اور لڑکھڑاتی زبانیں چلا رہی تھیں "خبر؟ خبر؟" "یہ لو خبر آگئی!" اچانک شور مچا "نجیسر پہنچ گیا!" اخبارات کے ضمیموں کی جلی سرخی تھی۔ بھیڑ اخبار فروشوں پر ٹوٹ پڑی۔ کش مکش اور ہجوم میں بہت سے اخبار پھٹ گئے۔ ایک خریدتا تھا اور دس اُس کے ہاتھ سے چھینتے تھے۔ کئی عورتیں بھیڑ میں گر پڑیں۔ کئی بوڑھے کچل گئے "سفید چڑیا نیویارک کے آسمان پر دیکھی گئی!" یہ خبر تھی جو اخبارات نے شایع کی تھی۔ اب کیا تھا؟ مسرت اور قومی فخر و غرور کی عام لہر دوڑ گئی۔ مصافحے اور معانقے ہونے لگے۔ ہر ہونٹ پر ہنسی تھی اور ہر آنکھ میں مسرت کے آنسو تھے۔

کپتان کی ماں!

اچانک مجمع میں ایک طرف جنبش ہوئی۔ انسانوں کا سیلاب ایک خاص گوشہ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ہجوم سے باہر نکلنا ناممکن تھا۔ میں نے بھی اپنی باگیں چھوڑ دیں۔ لاکھوں آدمی کی بھیڑ ایک سہ منزلہ مکان کے سامنے پہنچکر رک گئی۔ یہ کپتان کی ماں کا گھر تھا۔ سخت کش مکش ہوئی سب کی خواہش تھی کہ میڈم کے کمرے میں پہنچ جائیں۔ خوش قسمتی سے مجھے اوپر چڑھنے کا موقعہ مل گیا۔ ساٹھ برس کی ایک پُر وقار بوڑھی خاتون ہمارے سامنے تھی! مسرت نے اُس کا عجب حال کر دیا تھا۔ ہر لحہ شادی مرگ کا اندیشہ تھا۔ اسوقت وہ پورے فرانس کی ماں تھی پورا پیرس اُسے کھڑا سلام کر رہا تھا!

یقینی خبر

دو دن پھر گزر گئے۔ "سفید چڑیا" کی کوئی خبر نہیں آئی۔ آج پورا پیرس اُداس ہے۔ سب کے دل دھڑک رہے ہیں۔ انتظار سے تنگ ہو کر پیرس پھر میدانوں کی طرف چلا۔ پہلے سے کہیں زیادہ ہجوم تھا۔ اچانک تمام آوازیں بند ہوگئیں کامل سکون چھا گیا۔ ایک لمحہ کے بعد تالیوں کا شور بلند ہوا۔ بیک وقت لاکھوں تالیاں بج رہی تھیں۔ پھر یکایک نعرے بلند ہونے لگے "نجیسر پہنچ گیا!" "سرکاری طور پر تصدیق ہو گئی!"

سرکاری عمارتوں پر جھنڈے اُڑا دئے گئے — پورے پورے "مبارک! سلامت!" کے پیغام حکومت فرانس کے نام آنے لگے اب تو پیرس کی خوشی ناقابل بیان تھی! فرانس نے امریکہ کو شکست دیدی!!

لیکن . . .

"لیکن؟"

"لیکن" کا حال کوئی پیرس کے دل سے پوچھے "افسوس! خبر غلط تھی" اخبارات کی اس سرخی نے پیرس کا تمام سرور و عیش رنج و الم سے بدل دیا۔ تحقیقات سے ثابت ہوا کہ نیویارک کے آسمان پر جو "سفید چڑیا" منڈلاتی نظر آئی تھی، وہ فرانسیسی جہاز نہ تھا۔ امریکہ ہی کا ایک ہوائی جہاز تھا۔

ابتک تمام پیرس اُداس ہے، کیونکہ اُس کے قومی فاتح کا کہیں پتہ نہیں۔ کیا وہ بحر اعظم کی موجوں پر ہے؟ کینیڈا کے پہاڑوں پر ہے؟ آئرلینڈ کے جنگلوں میں ہے؟ خدایا! وہ کہاں ہے؟ ہر زبان یہی سوال کرتی ہے مگر کوئی جواب نہیں ملتا۔ کپتان کے دو بھائی ہیں ایک اُسے انگریزی آبنائے میں تلاش کر کے ناامید واپس آچکا ہے۔ دوسرا ساحل امریکہ میں ڈھونڈھتا پھرتا ہے۔ مگر ابتک کہیں کوئی سراغ نہیں ملا!

عقاب موت

پیرس کی بے چینی کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ اس بہادرانہ عزم سے پہلے بھی نجیسر اُسے محبوب تھا۔ دوران جنگ میں اس نوجوان نے ایسے حیرت انگیز کارنامے دکھائے تھے کہ اُس کا جنگی لقب "عقاب موت" ہو گیا تھا۔ جنگ میں اسے بار بار کاری زخم آئے۔ ۲۴ آپریشن کئے گئے۔ ڈاکٹروں نے فیصلہ کر دیا تھا کہ اب یہ فوج کے لائق نہیں رہا۔ مگر زخم بھرتے ہی وہ پھر فوج میں تھا۔ سپہ سالار نے کہا "تم فوج میں قبول نہیں کئے جا سکتے"، اُسنے فوراً جواب دیا "لیکن میں فوج کو قبول کر سکتا ہوں" چنانچہ برابر لڑتا رہا۔ ۴۵ ہوائی معرکے سر کئے ۷۰ دشمن جہاز برباد کر ڈالے۔ فرانس کا سب سے بڑا جنگی تمغہ حاصل کیا۔ ۲۴ چھوٹے تمغے اور ستارے پائے۔ یہ سب حکومت فرانس کی طرف سے تھے۔ برطانیہ اور امریکہ کے تمغے اُس کے علاوہ ہیں۔

کپتان کی ماں سے ملاقات

کپتان کی بوڑھی ماں کا کیا حال ہے؟

خوش قسمتی سے اس معزز خاتون نے چند لمحے مجھے بھی بخشے۔ میں اُس کی ملاقات کو بے اختیار اور بغیر اطلاع کے پہنچ گیا تھا۔ دروازہ پر میں نے دستک دی، دستک کے ساتھ ہی پٹ کھل گئے اور میں نے ایک مضطرب آواز سُنی: "کوئی خبر لائے ہو؟" یہ غمزدہ ماں کی آواز تھی۔ افسوس، میرے پاس کوئی خبر نہ تھی۔ فرط تاثر سے میری آواز بند ہو گئی "خبر کا نہ ہونا خود اچھی خبر ہے" خاتون نے سر ہلا کر شکستہ آواز میں کہا۔ اس سے اُس جانگداز اندیشہ کا پتہ چلتا تھا جس میں اس کا الم زدہ دل مبتلا تھا! بایں ہمہ اس کے صبر و تحمل کا وقار بدستور قائم تھا۔ وہ اب بھی ہنستی تھی مگر ایسی ہنسی جیسی ہزاروں نالہ ہائے درد کی چیخیں پوشیدہ تھیں۔

"تمام دنیا آپکے قلق میں شریک ہے" میں نے ہمدردانہ لہجہ میں کہا۔

"صاحب تمھیں بھی امید ہے نہ؟" خاتون نے اضطراب سے کہا۔

"بلاشک! مجھے کیا بہتوں کو یقین ہے کہ کپتان امریکہ کے کسی غیر آباد علاقے میں پہنچ گیا ہے" میرا جواب تھا۔

مدام اب اپنے آنسو روک نہ سکی۔ "ماں! رو نہیں" اُس کے ایک لڑکے نے کہا۔

"کیا؟" خاتون نے سخت جدوجہد سے اپنے کو سنبھال کر کہا "میں روتی نہیں ہوں۔ مجھے اب تک یقین ہے۔ وہ ضرور لوٹ آئے گا۔ تین مہینے گزر جائیں۔ ۶ مہینے گزر جائیں، مگر یہ امید میرے دل میں برابر زندہ رہے گی!"

میں اس گھر میں زیادہ دیر ٹھہر نہیں سکتا تھا۔ بمشکل مجھ سے اجازت مانگی گئی۔ سڑک پر پہنچتے پہنچتے میرا رومال بھی تر تھا!

شاید اسوقت بھی وہ گرجا میں قربان گاہ کے سامنے اپنے گھٹنوں پر جھکی ہوئی "پارلی" یعنی پیرس کے گم شدہ مجد کے لئے دعا مانگ رہی ہے۔

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولنا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر ۱۹۱۹ء میں شایع ہوئی تھی جب وہ رانچی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی رو سے مسجد کن کن اغراض کے لئے استعمال کی جا سکتی ہے؟ اور اسلام کی رواداری نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا امتیاز مذہب و ملت تمام نوع انسانی پر کھول دیا ہے؟

۱۹۱۹ء میں جس قدر نسخے چھپے تھے، مدرسہ اسلامیہ رانچی کو دیے گئے تھے جو بہت جلد ختم ہو گئے۔ اب مصنف کی نظر ثانی کے بعد دوبارہ لکھنؤ میں چھپی ہے۔ قیمت ۲ آنے (۲؍)

مینجر الہلال کلکتہ

خواطر و سوانح

میری اخباری زندگی کا ایک لمحہ

گذشتہ نمبر میں ہم نے ایک کتاب کا ذکر کیا تھا جو حال میں شایع ہوئی ہے اور جس میں تیس فرانسیسی اخبار نویسوں نے اپنی اپنی زندگی کے اہم واردات و حوادث بیان کئے ہیں۔ اس کتاب کی ایک سرگزشت پچھلی اشاعت میں آپکی نظر سے گزر چکی ہے۔ آج ایک دوسری سرگزشت درج کی جاتی ہے۔ یہ موسیو گسٹن شیرو کے قلم سے نکلی ہے جو عرصہ تک اخبار "طان" پیرس کے مشرقی مقالہ نگار رہ چکے ہیں۔ اس سرگزشت میں انھوں نے اپنے قیام طرابلس کے زمانے کے بعض واردات لکھے ہیں جب اٹلی اور اندرون طرابلس کے عربوں میں لڑائی جاری تھی:

صحرا کے خونی اپر!

یورپین تہذیب سے دُور، طرابلس، صحرائے افریقہ کے دامن میں پوشیدہ پڑا تھا۔ ۱۹۱۱ء میں یکایک اٹلی نے حملہ کیا اور مغربی ممالک پر اُس کے بند دروازے کھل گئے!

مجھے وہ رات عمر بھر یاد رہے گی جو میری اخباری زندگی کی سب سے زیادہ عجیب رات ہے۔ یہ رات مجھے طرابلس میں پیش آئی تھی۔

میں اپنے ہوٹل میں بیٹھا تھا کہ وہ نوجوان عرب کمرے میں آیا جو میری خدمت کرتا اور روز صبح گھوڑا تیار کر دیتا تھا۔ اُسنے کمرے میں ہر طرف آنکھیں پھاڑ کر دیکھا اور میرے تنہا ہونے کا پورا یقین حاصل کر کے کہنے لگا:

"محمد سعید ملاقات کرنی چاہتا ہے۔ اگر آپ رازداری کا وعدہ کریں تو میں آج ہی رات آپکو اُسکے پاس لے چلوں"

پھر مجھے متعجب دیکھ کر بولا:

"آپ اُسے نہیں جانتے مگر وہ آپکو جانتا ہے"

میں غور کرنے لگا۔

علی میرے زین کی رکاب صاف کرنے لگا۔

"ملعون یوسف آج پھر رکاب صاف کرنا بھول گیا" علی بڑبڑا رہا تھا۔

"آج رات جب ڈاکخانہ سے نکلئے گا تو میں آپ کا پیچھا کرونگا بشرطیکہ کوئی ساتھ نہ ہوا" اُسنے مجھے مخاطب کئے بغیر کہا۔

اُسوقت طرابلس محفوظ نہیں تھا۔ ذرا سی بے احتیاطی بھی یورپین کے لئے موت کا باعث تھی۔ میرا فرانسیسی ہونا، میری زندگی کے لئے ضمانت نہ تھا۔ کسی طرف سے اچانک ایک گولی آکر میرا خاتمہ کر سکتی تھی۔ میں متردد تھا کہ بغیر کچھ معلوم کئے محمد سعید کے ہاں چلا جانا مناسب ہے یا نہیں؟ میرا قاعدہ تھا کہ روز رات کو تار گھر جا کر اپنے دن بھر کی معلومات پیرس کے اخبارات کو بھیجدیا کرتا تھا۔

شاید گیارہ بجے میں تار گھر سے نکلا۔ رات نہایت تاریک تھی سڑکوں پر کوئی روشنی نہ تھی۔ میں تنہا نہ تھا۔ ایک اٹالین اور ایک فرانسیسی اخبار نویس بھی میرے ساتھ تھے۔ تھوڑی دُور چلکر یہ دونوں اپنے ہوٹل کے سامنے پہنچ گئے۔ اب مجھے اپنے ہوٹل کی طرف تنہا جانا تھا۔

ایک چوراہے پر پہنچکر مجھے محسوس ہوا کہ کسی کی پرچھائی میں نے دیکھی ہے۔ میرا خیال صحیح تھا۔ میرا خدمتگار علی میرے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔

ہم دونوں شہر کے بازار سے گزر کر تنگ گلیوں میں داخل ہو گئے ۔ ہر طرف خاموشی تھی ۔ پورا شہر سو رہا تھا ۔ بندوقوں کی آواز بھی بہت کم سنائی دیتی تھیں ۔

میں نے اپنے تئیں اچانک عربوں کے محلہ میں پایا ۔ الف لیلہ کے پُراسرار اور اونچی دیواروں سے گھرے ہوئے مکانات میرے دونوں طرف تھے!

علی ایک پست اور گول دروازے کے سامنے رُک گیا، اپنے دونوں ہونٹھ بھینچے اور ایک خاص قسم کی شیریں آواز میں چلایا:

"محمد! محمد!"

فوراً دروازہ کھلا ۔ میں اندر داخل ہوا ۔ خادم کے ہاتھ میں شمع تھی ۔ اس کی روشنی میں مجھے ایک بھاری بھرکم شیخ دکھائی دیا ۔

"آپ محمد سعید کے گھر میں ہیں" شیخ نے اپنی فصیح زبان میں کہا "گویا آپ خود اپنے گھر میں ہیں ۔ محمد سعید میں ہی ہوں ۔ میں کب کا منتظر تھا ۔ میری زندگی آپکے لئے حاضر ہے ۔ کیا آپ میرے ساتھ تشریف لے چلیں گے؟ یہاں جتنے لوگ ہیں، سب میرے فرمانبردار اور آپکے دوست ہیں"

محمد سعید کی ظاہری ہیئت بتاتی تھی کہ مالدار ہے اور دوسرے بہت سے شیخوں کی طرح اس فتنہ کی وجہ سے خانہ نشین ہو گیا ہے ۔ وہ مجھے ایک غلام گردش میں لے چلا میں نے دیکھا وہاں بہت سے لوگ سو رہے ہیں ۔ پھر ہم ایک بڑے ایوان میں پہنچے ۔ شیخ نے تالی بجائی اور ایک خادم نے پیتل کی صینی لاکے رکھدی ۔ صینی میں ٹھنڈے پانی سے لبریز گلاس، مٹھائی کی تشتری، اور قہوہ کی پیالیاں تھیں ۔

محمد سعید نے ایک بلند ٹھیک پر مجھے بٹھایا ۔ اس پر دبیز اور نرم قالین بچھا تھا ۔ خود بھی میرے سامنے بیٹھ گیا ۔

"میں اپنے مکان میں آپ کا استقبال کرتا ہوں" محمد سعید نے میرے چہرے پر اپنی تیز سیاہ آنکھیں جما کر کہا "یہاں آپکو آنے کی زحمت دیکر میں نے عربی اخلاق کے خلاف عمل کیا ہے ۔ معافی چاہتا ہوں ۔ لیکن مجھے یقین تھا ۔ آپ ایک ایسے شخص کو تسلی دینے کی ضرور تکلیف گوارا کریں گے جس کی زندگی ختم ہو چکی ہے، اور جو یہاں اپنے گھر میں بیٹھا اپنے ملک کی بربادی دیکھ رہا ہے، میں بغیر کسی تمہید کے اپنی دعوت کا مقصد بیان کرتا ہوں ۔ یہاں طرابلس میں آپ تین فرانسیسی موجود ہیں ۔ میں جانتا ہوں آپ ان غاصب طلیانوں کی طرح نہیں ہیں ۔ آپ عربوں سے محبت کرتے ہیں ۔ محمد سعید اُس شخص کا بیٹا ہے جس نے آپ کی قوم کے ایک بڑے آدمی کی خدمت کی تھی اور اُس سے اپنے خدمت پر اعلیٰ سندیں حاصل کی تھیں ۔ میرا باپ ٹیونس میں فرانس کے سپہ سالار اعظم ماسکوآٹ کا معتمد تھا"

محمد سعید نے میرا تعجب محسوس کر لیا ۔ وہ مسکرایا: چند دن ہوئے آپ خود اُس کا ذکر کر رہے تھے ۔ مجھے خبر پہنچ چکی ہے" شیخ نے پہلو بدل کر کہا "مجھے آزادی سے گفتگو کرنے کی اجازت دیجئے ۔ میں مطمئن ہوں کہ خدا کے سامنے بے خوف کھڑا ہوں گا ۔ کیونکہ مجھے اپنا کوئی ایسا گناہ معلوم نہیں جس پر میں نادم ہوں ۔ لیکن اس بدنصیب ملک کی قسمت معلوم کرنے سے پہلے مر جانا میرے لئے نہایت تکلیف دہ ہے ۔ آپنے خود اپنی آنکھوں سے پرسوں چودہ لاشیں پھانسی پر لٹکی دیکھی ہونگی ۔ خدا انھیں کبھی معاف نہ کرے گا جنھوں نے ان معصوموں کی جان لی ہے! میں نے سنا ہے آپ نے ان بے گناہوں کے لئے چند کلمے شفقت کے کہے تھے ۔ آپ میری بات غور سے سنئے اور صاف جواب دیجئے ۔ کیا واقعی میری قوم فنا کر دی جائے گی؟"

میں نے مضطرب شیخ کو ہر طرح اطمینان دلایا اور دیر تک باتیں کرتا رہا ۔ پھر میں نے واپسی کا خیال کیا ۔ وہ سمجھ گیا:

"میں آپکے ساتھ دو آدمی بھیجنے کو مستعد ہوں ۔ وہ آپ کو حفاظت سے پہنچا دیں گے ۔ لیکن ممکن ہے کسی کی متجسس نظریں پڑ جائیں ۔ کیا یہ بہتر نہیں ہے آپ یہیں سو جائیں؟ صبح قریب ہے؟"

اُسنے پھر تالی بجائی ۔ خادم کو قالین لانے کا حکم دیا ۔ مجھ سے کہنے لگا: "آپ ابھی جگہ سوئیں گے جہاں بیٹھے ہیں ۔ آپ جانتے ہیں کس چیز پر آپ بیٹھے ہیں؟ آپ محمد سعید کی تھوڑی سی مگر پوری دولت پر بیٹھے ہیں"

یہ کہکر اُسنے اُس بیٹھک کا فرش حقارت سے اُلٹ دیا، جس پر ہم بیٹھے تھے اور اوپر کا تختہ ہٹا کر جوش سے کہنے لگا:

"دیکھو"

میں نے دیکھا ۔ مگر کیا دیکھا؟ عمر بھر اسے نہ بھولوں گا ۔ میں نے دیکھا عظیم صندوق میں سونا اس طرح بھرا پڑا ہے جس طرح کوٹھی میں غلہ بھرا ہوتا ہے!

"یہ سب مجھے اپنے چچاؤں سے ملا ہے ۔ قافلہ والوں سے اور خود میں نے کمایا ہے" اُسنے سادگی سے کہا "اگر اس سب کے لٹا دینے سے میری قوم کی جان بچ سکتی ہے تو میں اسے لٹا دینے پر بخوشی تیار ہوں"

پھر اُسنے بے پرواہی سے ڈھکنا چھوڑ دیا ۔ وہ زور سے صندوق پر گرا ۔ اور محمد سعید باہر چلا گیا ۔ اُسنے اپنے خزانہ میں قفل تک نہیں لگایا ۔ میں نے عربی شب بخیر کی آواز سنی اور پھر اُس کا پرجوش چہرہ غائب تھا!

میں آرام کی نیند سو گیا ۔ میں اس قدر متأثر تھا کہ یہ خیال بھی نہیں ہوا کہ میں صحرا کے خزانہ پر لیٹا ہوں!

کیا یہ خواب تھا؟

نہیں، لیکن جب غور کرتا ہوں تو یہ واقعہ بھی کم از خواب نہیں! محمد سعید کی آرزو پوری نہیں ہوئی ۔ اُس کا ملک اُس کی قوم کے لئے آزاد نہ ہو سکا ۔ مگر اس کا پُراسرار خزانہ کبھی کبھی اب بھی مجھے اُس عظیم تہ خاک صندوق کی یاد آ جاتی ہے!

بیسویں صدی کا آدم خور گروہ

یورپ کی زبانوں میں ایک لفظ قدیم سے موجود ہے جس کا تلفظ انگریزی میں Cannibalism ہے ۔ یعنی انسانی گوشت کھانے کا مذہب اور طریقہ ۔ ازمنۂ وسطیٰ (مڈل ایجز) کی تاریخ شہادت دیتی ہے کہ یورپ میں انسانی گوشت کھایا جاتا تھا ۔ صلیبی لڑائیوں کے مسیحی مجاہدین جب اسلامی ممالک میں پہنچے تھے تو جب کبھی غذا کی قلت ہوتی انسان کا گوشت کھانا شروع کر دیتے تھے ۔ مشہور مورخ گبن اور تجاڈ شہادت دیتے ہیں کہ انطاکیہ، طرابلس، عکا، اور خود بیت المقدس میں صلیبی مجاہدین انسانی گوشت کا علانیہ استعمال کرتے تھے!

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس مذہب کے پیروں سے اب بھی سرزمین یورپ خالی نہیں ہے ۔ پچھلی ڈاک کے انگریزی اخبارات میں ایک عجیب تفصیل آئی ہے ۔ وسط یورپ سے ایک نامہ نگار لکھتا ہے کہ زیگو سلاویا میں چھبیس آدمی اس جرم میں گرفتار کئے گئے ہیں کہ ان کی سب سے زیادہ مرغوب غذا آدمی کا گوشت ہے!

پولیس کی تحقیقات ظاہر کرتی ہے کہ یہ لوگ ایک جنگل کے قریب خیموں میں رہتے تھے ۔ اُس طرف سے جو آدمی بھٹکتا تھا اُسے قتل کر کے کھا جاتے تھے ۔ مجرموں نے عدالت میں اعتراف کیا ہے کہ انھوں نے ایک مہینے کے اندر صرف ۲۶ آدمی نوشجان کئے ۔ پانچ عورتیں اور ایک طالب علم! یقیناً انکے نزدیک انسانی گوشت کی ایک خاص قسم طالب علم کا گوشت ہوگا!

انھوں نے اپنا عذر یہ بیان کیا کہ "ہم کام نہ ملنے کی وجہ سے بالکل غریب ہو گئے تھے ۔ گوشت خرید نہیں سکتے تھے ۔ صرف چاول اور آلو پر گزر تھی! مجبور ہو کر یہ طریقہ اختیار کیا"!

انھوں نے آدمی شکار کرنے کا طریقہ بھی بتایا ہے: "جب کوئی شخص اُس راستہ پر نظر آتا تھا، ہم اُس سے بڑے اخلاق سے ملتے تھے ۔ میٹھی میٹھی باتیں کرتے تھے اور دم دلاسا دیکر اپنے خیموں میں لے آتے تھے ۔ پھر اُسے مانوس اور غافل کرنے کے لئے یورپ کی اقتصادی و سیاسی حالت پر گفتگو شروع کر دیتے تھے ۔ جب وہ مطمئن ہو کر بیٹھ جاتا اور وقت کے سیاسی مباحث میں غور و فکر کرنے لگتا تو پیچھے سے اُس کے سر پر کلہاڑی مار دیتے تھے ۔ پھر اُس کے کباب بنا کر کھا لیتے تھے!"

اس بیان کی سادگی اور واقعیت کا تو اعتراف کرنا چاہئے ۔ لیکن ہم نہیں کہہ سکتے کہ کلہاڑی مارنے کے فیصلہ کن عمل سے پہلے "اقتصادی اور سیاسی مباحث" کا تذکرہ کیوں ضروری سمجھا گیا تھا ۔

طالب علم جسکی عمر صرف ۸۰ برس ہے!

پچھلے دنوں فرانس کی شہرۂ آفاق یونیورسٹی سوربون کے اعلیٰ علمی امتحان میں ایک طالب علم دیکھا گیا جس کی عمر اسوقت ۸۰ برس ہے ۔ حاضرین کو زیادہ حیرت اس لئے بھی ہوئی کہ یہ عجیب طالب علم ملک کا ایک مشہور آدمی ہے ۔ اس کا نام مسیو لوئی انڈریہ ہے ۔ یہ فرنچ پارلیمنٹ کا ایک سابق ممبر، پولیس کا سابق کمشنر، اور کسی زمانہ میں فرانس کا دوسرے ممالک میں سفیر بھی رہ چکا ہے!

لوگوں کی حیرت دیکھ کر اُسنے سنجیدگی سے کہا "میں بوڑھا ہو گیا ہوں مگر میرا علمی شغف بدستور جوان ہے!"

اسنے کامل ۳ گھنٹہ امتحان کی کمیٹی کے روبرو زبانی امتحان دیا ۔ اور قوی دلائل سے اپنا تاریخی موضوع بحث ثابت کر دیا ۔ ممتحنوں نے بڑی سختی برتی اور اعتراض کرنے میں اُس کی عمر کی کوئی رعایت نہیں کی ۔ جب پوری طرح اُس کا علمی تبحر ثابت ہو گیا تو فن تاریخ میں ڈاکٹر کی سند دی گئی ۔

امتحان کا ایوان بڑے بڑے علماء و مشاہیر سے پُر تھا ۔ مشہور مسیو کلیمنشو بھی موجود تھے ۔ یہ "طالب علم" کے پرانے دوست ہیں ۔ کامیابی پر سب سے پہلے انہی نے تالی بجائی ۔ پھر تحسین و آفرین کی صداؤں سے پورا ایوان گونج اُٹھا ۔

یہ "طالب علم" اپنی حاضر جوابی میں قدیم سے مشہور ہے ۔ اُس کا یہ واقعہ اب تک لوگوں کو یاد ہے کہ ایک مرتبہ وہ پارلیمنٹ میں تقریر کر رہا تھا ۔ ایک ممبر نے اُٹھکر اُس پر اعتراض کرنا شروع کر دیا ۔ مقرر نے طعنہ زنی کی راہ سے معترض کو مخاطب کیا "میں "نامعلوم" محترم ممبر کا نہایت شکرگزار ہوں گا اگر وہ مجھے اپنی تقریر ختم کرنے کی اجازت مرحمت فرمائیں" معترض نے غصہ سے کہا "مسیو انڈریہ! میں نامعلوم نہیں ہوں، آپ مجھے خوب جانتے ہیں" مقرر نے فوراً یہ مسکت جواب دیا "میں نے کب کہا کہ آپ میرے لئے "نامعلوم" ہیں ۔ البتہ مجھے معلوم نہیں کہ آپ دنیا کے نزدیک بھی "معلوم" ہیں!"

السحر الحلال فی مجلدات الہلال

گاہ گاہے باز خواں این دفتر پارینہ را
تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را

اردو صحافت کي تاريخ ميں الهلال هي وہ رسالہ ہے جو اپني تمام ظاهري اور باطني خصوصيات ميں ايک انقلاب آفرين دعوت تهي۔ اُس نے ملک کے سياسي، علمي، ادبي، اور ديني افکار و عقائد پر جو انقلاب انگيز اثرات ڈالے، قريب ہے کہ مستقبل هند کا مورخ اُن پر بحث کريگا اور اُن کے اندر وہ عناصر و مباديات ڈهونڈهيگا جن سے هندوستان کي سنہ ۱۹۱۹ کے بعد کي اجتماعي دهنيت ظہور پذير هوئي۔

"الهلال اگرچہ ايک هفتہ وار مصور رسالہ تها، ليکن چونکہ وہ اردو صحافت کي مختلف سمتوں ميں اجتهاد نظر و فکر کي نئي روح پيدا کرني چاهتا تها، اِس لئے اُس کا هر نمبر مختلف اقسام اور مختلف اذواق کا مجموعہ تها۔ اُس کے هر نمبر ميں مختلف ابواب، مذهب، سياست، ادبيات، علوم و فنون، اور معلومات عامہ کے هوتے تهے۔ اور اُسکا هر باب اپني منفردانہ خصوصيات کے لحاظ سے اپني نظير آپ هوتا تها۔ پهر اس کي ظاهري خوبياں اردو صحافت ميں اعلىٰ طباعت و ترتيب کا پهلا نمونہ تهيں۔ اردو کا وہ پهلا هفتہ وار رسالہ تها، جس ميں هاف ٹون تصاوير کے اندراج کا انتظام کيا گيا، اور ٹائپ ميں چهپنے کي وجہ سے بہت سي ايسي خوبياں پيدا هوئيں جو پتهر کي چهپائي ميں ممکن نہيں۔ اِس کي جلديں جديد اردو علم ادب کے علمي، مذهبي، سياسي، اور اجتماعي مواد و مباحث کا بهترين مجموعہ هيں۔ اِن کي مقبوليت و قدر کا اندازہ اِس سے هوسکتا ہے کہ سنہ ۱۹۱۸ ميں بعض شايقين علم و ادب نے اِس کي تمام جلدوں کا مکمل سٹ سات سو روپيہ ميں خريد ليا۔ اور حال ميں ايک صاحب نے، اِس کي پہلي جلد مکمل (جو دفتر ميں بهي موجود نہيں) ساڑهے چارسو روپيہ ميں حيدرآباد سے خريدي ہے۔ جن لوگوں نے اِس کے پرچے بحفاظت جمع کئے هيں وہ بڑي سے بڑي قيمت پر بهي علحدہ کرنے کيليے تيار نہيں۔ پچهلے دنوں "البلاغ پريس" کا جب تمام سامان نئے مکان ميں منتقل کيا گيا تو ايک ذخيرہ الهلال کے پرچوں کا بهي محفوظ ملا۔ هم نے کوشش کي کہ سابقين علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلديں مرتب کي جاسکتي هيں مرتب کرلي جائيں اور جن جلدوں کي تکميل ميں ايک دو پرچوں کي کمي هو انهيں دوبارہ چهپوا ليا جائے۔

چنانچہ الحمدللہ يہ کوشش ايک حد تک کامياب هوئي اور اب علاوہ متفرق پرچوں کے چند سالوں کي جلديں پوري مکمل هوگئي هيں۔ هم اِس اعلان کے ذريعہ شايقين علم و ادب کو خوشي کي اطلاع ديتے هيں کہ اِس قيمتي ذخيرہ کے حاصل کرنے ميں جلدي کريں، چونکہ جلدوں کي ايک بہت هي محدود تعداد مرتب هوسکي ہے اس لئے صرف اُنهيں درخواستوں کي تعميل هوسکے گي جو سب سے پہلے پہونچيں گي۔ هر جلد مجلد ہے اور ابتدا ميں تمام مضامين کي انڈکس بہ ترتيب حروف تهجي لگادي گئي ہے۔

الهلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپيہ الهلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپيہ
" " " چهارم ۱۰ روپيہ " " " پنجم ۱۰ روپيہ

جلد "البلاغ" (جب دوسري مرتبہ الهلال اِس نام سے شائع هوا) قيمت ۸ روپيہ

علاوہ جلد اول کے هر جلد کے متفرق پرچے بهي موجود هيں جن ميں سے هر پرچہ اپنے مضامين کے لحاظ سے ايک مستقل مجموعہ علم و ادب ہے۔ قيمت في پرچہ ۸ آنہ۔ محصول ڈاک و پيکنگ اِس کے علاوہ ہے۔

منيجر "البلاغ پريس"

آبِ حیات

جملہ اقسام کی انسانی وحیوانی بیماریوں کا فوری علاج جس کے متعلق
بیس (۲۰) سال میں تیس (۳۰) ہزار سرٹیفکیٹ موصول ہوچکے ہیں
قیمت فی شیشی صرف دو روپیہ (عہ) نمونہ کی شیشی ۸

اکسیر عنبری مقوی اعضائے رئیسیہ اور مردانہ طاقت بڑھانے
والی گولیاں قیمت فی شیشی چار روپیہ

نمک سلیمانی معدہ کی خرابیوں کو دور کرنے اور
خون صالح پیدا کرنے کی بہترین دوائی ہے
قیمت فی شیشی بارہ آنے (۱۲)

مفصل فہرست ادویہ مفت

مینجر کارخانہ آبِ حیات پنڈی بہاؤ الدین (پنجاب)

Ab-i-Hayat Pharmacy,

PINDI BAHA-UD-DIN, PUNJAB.

اسلامی مذاق کی کتابیں

قرآن۔ حدیث۔ تصوف۔ فقہ۔ عقاید۔ تاریخ اور علوم جدید پر بہترین اور تازہ
کتابیں دیکھنا چاہیں تو ہماری فہرست منگائیں۔ سرمایہ دار اگر مذہبی کتابوں کی
تجارت پر روپیہ لگا کر فائدہ اٹھانا چاہیں تو قواعد منگا کر ملاحظہ فرمائیں۔ پتہ یہ ہے
مینجر صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ پنڈی بہاؤ الدین پنجاب

SUFI PRINTING and PUBLISHING Co. LTD.
PINDI BAHA-UD-DIN. (PUNJAB.)

قرآن مجید

(مترجمہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رح)

یہ ترجمہ جسکے لئے مسلمان مدتوں سے سراپا انتظار تھے بفضلہ تعالی نہایت آب و تاب کے ساتھہ چھپ کر مکمل ہو گیا ہے اور بکثرت طلب کیا جا رہا ہے - آج تک جسقدر ترجمے قرآن پاک کے ہوچکے ہیں یہ ترجمہ بہت سی خوبیوں کے لحاظ سے سب پر فوقیت رکھتا ہے - تحت لفظی ہونے کے باوجود با محاورہ اور سلیس ہے - زبان ایسی شستہ اور صاف کہ جس کو معمولی لکھا پڑھا بھی بخوبی سمجھہ سکے لکھائی چھپائی اور کاغذ نہایت اعلی رمین حنائی چھپی ہوئی پختہ ہے - ہدیہ مجلد چرمی ملقش نقرئی پندرہ روپئے - جلد اعلی منقش طلائی ۱۸ روپیہ محصولڈاک و خرچ پیکنگ ۲ روپیہ فرمایش کے ساتھہ ۵ روپیہ پیشگی آنا ضروری ہیں - نمونہ مفت -

اخبار مدینہ (بجنور)

(ہفتہ میں دو بار)

سنہ ۱۹۱۲ع سے قابل اہل قلم اڈیٹروں کی زیر ادارت جاری ہے خدمت قوم و ملک پاسداری مذہب و ملت اس کا شعار ہے - آزادی وطن اور قومی مطالبات کا علمبردار ' اردو جرائد میں کثیر الاشاعت ' سیاست حاضرہ کا مفسر حق و صداقت کا مشتہر ' عربی و انگریزی اخبارات کا خلاصہ ' دنیا کے ہر گوشہ میں پہنچنے والا ' ملاحظہ و مطالعہ خود ہمارے بیان کی تصدیق کردیگا - نمونہ مفت - قیمت سالانہ ۶ روپیہ - ششماہی تین روپیہ آٹھ آنہ - سہ ماہی ۲ روپیہ فی پرچہ ایک آنہ ممالک غیر سے ۸ روپیہ سالانہ -

غنچہ رسالہ ہفتہ وار

بچوں کا معلم بچیوں کا اتالیق ' طالب علموں کا استاد ' علم و فن کا خزانہ ' معلومات کی کان اخلاقیات و ادبیات کا گنجینہ ' ہفتہ وار خاص ملک و ملت کے نونہالوں کیلئے شائع ہوتا ہے - زبان سلیس اور عام فہم ہے اپنے بچوں کیلئے ضرور طلب فرمائیے - قیمت سالانہ ۳ روپیہ -

(محمد مجید حسن [illegible]
مدینہ و غنچہ

Printed and Published by
MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA.
EDITOR : MAULANA ABU-AL-KALAM [illegible]